گلدستۂ طریقت

مصنف

مقبول فیروزی

جی۔این۔کے پبلی کیشنز

GULDASTA-E-TARIQAT

by
Maqbool Ferozi

Year of Edition 2021
ISBN 978-81-951465-4-3
Price Rs. 300.00
Price Rs. 350.00 Library Edition

کتاب کا نام	:	گلدستۂ طریقت
مصنف	:	مقبول فیروزی
طبع اوّل	:	۲۰۲۱ء
صفحات	:	۱۹۶
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۳۰۰ روپے (لائبریری ایڈیشن ۳۵۰ روپے)

-:ملنے کے پتے:-

☆ مقبول فیروزی فیروز پورہ، رفیع آباد، بارہ مولہ، کشمیر
☆ جی۔این۔کے پبلی کیشنز
☆ ادارہ تعمیل ارشاد، سری نگر، کشمیر

Published by
GNK PUBLICATIONS
Head Office : Near Old Bus Stand, Kumar Mohalla
Charari Sharief, Budgam - 191112 (J&K)
E-mail : gnkpublications@gmail.com
Mobile : 8082186649, 7006738304
Ph. : (Office) 01951-295207

تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے
گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نُور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

(علامہ اقبالؒ)

اِنتساب

اپنی درویش صفت

والدہ مرحومہ کے نام

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات

تھی سراپا دین و دُنیا کا سبق تیری حیات

☆☆☆

فہرست

☆☆☆

پیش لفظ

میرے گھر کا ماحول صوفیانہ تھا جس کی وجہ سے طالب علمی کے زمانے سے ہی میرے اندر طریقت اور تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق آج تک جاری ہے۔ طریقت کا تعلق انسان کی روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے۔

شریعت قرآن وسنت کے ظاہری احکام پر عمل کرنے کا نام ہے اور طریقت شریعت کے باطنی احکام بجالانے کا نام ہے۔ طریقت تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب سکھاتا ہے اور انسان کے اندر مذموم اعمال ختم کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ طریقت کی غایت وصول اِلی اللہ اور سعادتِ ابدی حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک مقدس علم ہے جو شریعت پر عمل کرنے کے بعد حاصل ہو جاتا ہے۔ طریقت انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ علم وجودِ باری تعالیٰ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور خالق اور مخلوق دونوں سے محبت کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔

طریقت انسان کو صبر وقناعت، حلیمی و بردباری عبادت وریاضت، ذکر وفکر، اُنس ومحبت اور خدمتِ خلق سکھاتا ہے۔ طریقت میں بڑا صوفی اور درویش وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ طریقت خود شناسی اور خدا شناسی سکھاتا ہے۔ طریقت کو حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ طریقت بحث وتمحیص سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ حصولِ لذات اور شہوات چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ طریقت کی راہ وہی طے کرسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول اکرمؐ ہو، تاکہ اِن دونوں چراغوں کی روشنی میں یہ راستہ طے ہو سکے اور گمراہی اور بدعت کے

گڈھوں میں گرنے سے بچا جا سکے۔طریقت اخلاق کا نام ہے۔حضورﷺ کو اعلیٰ اخلاق سے نواز کر مبعوث کیا گیا تھا جس کی وجہ سے عالمِ انسانیت کی تربیت فرمائی۔طریقت نے عبادت الٰہی میں خاص قسم کی جاذبیت اور کیفیت پیدا کرنے کا عمل سکھایا اور آدم کو انسان بنانے کا فریضہ ادا کیا ہے۔اولیائے کرام نے اُخوت، محبت، مساوات، خدمتِ خلق اور عبودیت کا درس دے کر عالم انسانیت کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔طریقت زندگی سے فرار اور گریز کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ جینا سکھاتا ہے طریقت مظلوم کی حمایت اور ظالم کی ہدایت، ہمدردی اور غمگساری سکھاتا ہے۔یہ پیار و محبت کا عملی درس دیتا ہے۔بقول علامہ اقبال ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

طریقت زندگی میں مقصدیت اور لطف پیدا کرتا ہے صوفیائے کرام نے اپنے اعلیٰ اخلاق، کردار اور جذبۂ خدمتِ خلق کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے اور پرائے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، بودھ سب کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا اور ان کے کارنامے سنہرے الفاظ سے لکھنے کے لائق ہیں کیونکہ اُنہوں نے جان کی بازی لگا کر اسلام کی روح کو زندہ رکھا۔اُنہوں نے دل بایار اور دست با کار کا ہنر سکھایا۔ انہی صوفیائے کرام کی وجہ سے آج ہندوستان اور کشمیر میں لاکھوں کروڑوں فرزندانِ توحید موجود ہیں۔

ایمان کا تعلق دل سے ہے اور صوفیائے کرام تصفیہ قلب پر اسی لئے زور دیتے ہیں۔ سورۂ نور کی ایک آیت جس کا ترجمہ یہ ہے ''مومن اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ کو دل سے مانیں'' سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔جب انسان کے اندر بصیرت پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے آپ کو اور خدا کو پہچاننے لگتا ہے اور حدیث پاک بھی اسی پر زور دیتا ہے کیوں کہ حدیث کی کتابوں میں درج ہے ''من عرف نفسهٗ فقد عرف ربه'' طریقت سے دل میں نور پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہے اس نور سے دل میں دیکھنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر نے انسان کے لئے بہت سے مسائل پیدا کئے ہیں۔پوری

دنیا شدید مسائل اور مشکلات سے دوچار ہے۔ آج کا انسان پریشانی اور تذبذب کی حالت میں زندگی گذار رہا ہے اور کچھ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ آخر پریشانیوں اور دُکھوں سے کیسے نجات اور چھٹکارا پاسکے۔ مذہب سے برگشتگی نے انسانوں کو ایسی منزل پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں ایک مکمل خلاء ہے۔ انسان سمجھ ہی نہیں پا رہا ہے کہ آخر کرے تو کیا کرے۔ عصر جدید میں عشق کی اہمیت اندھیروں میں گُم ہوگئی ہے اور انسان کو محض عقل سمجھا جا رہا ہے۔ جنسی بے راہ روی نے انسان کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ روحانی بحران کی وجہ سے انسان کا دماغ پریشان اور دل بے قرار ہے۔ ان حالات میں طریقت ہی ایک ایسا راستہ ہے جو انسان کو نجات دلاسکتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام خود ایثار ومحبت اور صبر وتوکل اور قناعت کے مجسمے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی انسان دوستی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ وہ بھٹکے ہوئے کاروان کو نیک اور سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں۔

میں سردیوں سے بچنے کے لئے دہلی میں قیام پذیر تھا اور موقع کو غنیمت جان کر اس کتاب کو تیار کرنا اور ترتیب دینا بہتر سمجھا تا کہ دوست واحباب اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ زیرنظر کتاب کے ترتیب دینے میں میرے کچھ دوستوں نے حوصلہ بخشا جن میں میرے دوست پروفیسر نسیم رفیع آبادی اور غلام نبی کمار صاحب بھی شامل ہیں۔

میں اپنے افراد خانہ کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے لکھنے پڑھنے کا موقع فراہم کر کے یہ کتاب مکمل کرنے کا موقع عطا کیا۔ پیش نظر کتاب میں طریقت اور تصوف کے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ میری یہ کوشش دوستوں کو پسند آئے گی اور طریقت کا راستہ اختیار کرنے والے نو وارد افراد کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ طریقت کا راستہ اختیار کرنے والے نو وارد دوستوں سے یہی التماس ہے کہ وہ علامہ اقبال کا یہ شعر ہمیشہ ذہن میں رکھیں اگر اس راستے کو بخیر وعافیت طے کرنا چاہتے ہوں۔

بہ مصطفیٰؐ برسان خویش را کہ دین ہمہ اُوست
گر بہ اُو نہ رسیدی تمام بُولہبی ست

۱۱رفروری۲۰۲۱ء مقبول فیروزی
فیروز پورہ، رفیع آباد، ضلع بارہمولہ کشمیر

طریقت کیا ہے؟

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت وہ علم ہے جس میں باطنی احکام کی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کا طریقہ بتلایا جاتا ہے۔ طریقت کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کہتے ہیں۔ طریقت صوفیاء کے نزدیک شریعت سے اگلا درجہ ہے جس میں سالک اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ قرآن وسنت کے ظاہری احکام کو شریعت کہا جاتا ہے اور طریقت ان کے باطن کا نام ہے۔ طریقت میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ مذموم اعمال ختم ہوجائیں اور محمود اعمال پیدا ہوجائیں۔ مختصر یہ کہ دل کو ہر قسم کی آلائش سے صاف کرنے کا نام طریقت ہے۔ علامہ نور بخش توکلی طریقت کے بارے میں اپنے خیالات کا یُوں اظہار کرتے ہیں۔

> ''طریقت وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفوس اور تزکیۂ اخلاق و تعمیر ظاہر و باطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس علم کی غایت وصول الیٰ اللہ اور سعادت ابدی حاصل کرنا ہے''۔[1]

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ طریقت اور تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''طریقت (تصوف) محض قیل وقال اور بحث و تمحیص سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تصوف حصولِ لذات وشہوات کو چھوڑ دینے اور ذکر وفکر کے احترام سے وابستہ ہے'' [2]

---

[1] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ صفحہ 479 [2] فتوح الغیب

طریقت وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے نفس کے تزکیہ، اخلاق کی صفائی، باطن کو ظاہر کی تعمیر اور قلب کا تصفیہ کیا جاتا ہے یہ ایک مقدس علم ہے جو سالک کو وصول الی اللہ جیسی عظیم نعمت سے نوازتا ہے۔ اس علم کے بنیادی اصول قرآن وسنت سے مستنبط ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں محبت الٰہی، مکارم اخلاق اور خدمت خلق کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، طریقت بھی انہی ارکانِ ثلاثہ پر مبنی ہے۔ علمائے کرام نے علمی ونظری دلائل سے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا جب کہ اہلِ طریقت نے اپنے اعمال واخلاق وسیرت وکردار سے اسلام کی صداقت کو آشکارا کیا اس لئے طریقت شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ صحیح معنوں میں طریقت اسلام کا عطر اور اس کی روح ہے۔ طریقت اور تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مخلوق کو موافقت سے دل کو پاک رکھنا، تمام بُری صفات سے دُور رہنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی دوستوں سے دوستی رکھنا، علوم حقیقی سے تعلق رکھنا، اعلیٰ کاموں کو اختیار کرنا، اُمت مسلمہ کی بھلائی چاہنا۔ اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی اور حضورؐ کی شریعت پر عمل کرنا طریقت کہلاتا ہے۔ حضرت غوث پاکؒ کے نزدیک دل کو تمام آلائش سے پاک کرنا طریقت اور دل وجان سے اللہ کا ہوجانا توحید ہے۔ طریقت انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی تو مسلمانوں کی زندگی میں بھی تبدیلی آگئی اور مسلمانوں کے کئی فرقے وجود میں آگئے جس میں ایک فرقہ صاحبِ طریقت اور صوفیہ کا بھی ہے۔ یہ فرقہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔ طریقت اور تصوف کا مدعا ومقصد تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلوب ہے۔ ڈاکٹر مرزا صفدر علی بیگ طریقت اور تصوف کو خالق اور مخلوق سے محبت پیدا کرنے، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا طریقہ سکھانے والا علم سمجھتے ہیں۔ تصوف کے مسائل اور مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتاب میں وہ یوں لکھتے ہیں۔

> ''تصوف وہ علم ہے جو وجودِ باری تعالیٰ سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ خالق اور مخلوق دونوں سے محبت پیدا کرنے اور تزکیہ نفس وتصفیہ قلب کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اور مطمع نظر صبر وقناعت، فقر ومسکینی، خدا پر اعتماد اور توکل، سنجیدگی اور سکوت، عبادت وریاضت، یادالٰہی، ذکر وفکر، نیکی واخلاق، ہمدردی،

اُنس ومحبت اور ایثار وقربانی کا درس دیتا ہے'' [1]

مولانا ذوالفقار نقشبندی طریقت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم حال کو تصوف یا طریقت کہتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ نے علم ظاہری وباطنی یعنی علم قال وعلم حال رسولؐ اللہ سے سیکھا اور اس وقت سے اُمت میں ان علوم کی اشاعت وترویج جاری وساری ہے۔آج کے دور میں علم قال کو فقہ یا شریعت اور علم حال کو تصوف یا طریقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہ دونوں علوم انسان کی ایمانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں'' [2]

طریقت وتصوف دینِ اسلام کا ایک اہم جُز ہے جس کا تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس سلسلے میں یُوں فرماتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہئے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔(۱) فقہ، (۲) علم عقائد، (۳) علم تصوف وسلوک'' [3]

کچھ علماء نے تصوف کی درجہ بندی کی ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر سیار محمد سعید شاہ قادری اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تصوف کے تین اقسام کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''تین قسم کے تصوف ۱۔مومنانہ تصوف،۲۔فلسفیانہ تصوف اور۳۔ملحدانہ تصوف۔ثالث الذکر تصوف نے عوام الناس کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔یہ اُن لوگوں کا تصوف ہے جو گمراہ ہیں۔ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس مقام پر فائز ہوکر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ثانی الذکر تصوف ہمیشہ علمائے حق کے مابین اختلاف ونزاع رہا ہے۔اس تصوف کو ہم فلسفیانہ تصوف کہتے ہیں۔اس فلسفہ کی بنیاد یونانی فلسفہ اور علم الکلام کی بیکار بحثوں پر قائم کی گئی ہے۔اوّل الذکر تصوف مومنانہ تصوف ہے۔یہی تصوف اسلامی تصوف ہے۔یہ تصوف جن حقائق کا نام ہے اُن سے کسی مومن ومخلص کو کبھی اختلاف نہیں رہا ہے اور نہ رہے گا۔یہی کتاب وسنت سے بہ صراحت ثابت ہے''۔ [4]

---

[1] تصوف کے مسائل اور مباحث،صفحہ 7۔ [2] تصوف وسلوک

[3] تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، از: مولانا تطہیر احمد بریلوی۔ [4] اقبال اور نظریۂ خودی

طریقت تمام مخلوق سے کٹ کر اپنے رب اور خدا کو یاد کرنے کا نام ہے جس کا حکم قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

''وذکر سمَ ربک وتبتل الیہِ تبتیلا''[1]

یعنی اپنے رب کو یاد کرو اور تمام مخلوق سے کٹ کر اسی ایک کے رہو۔ تصوف مجاہدہ، ریاضت و نفس کشی کی تعلیمات سے مالا مال ہے۔ تصوف کی مخالفت کرنا اور درویشوں کی مبارک زندگیوں پر لعن طعن کرنا انہی کا کام ہے جن کا ایمان رخصت ہو چکا ہو۔

اسلام میں تصوف کب اور کیسے داخل ہوا اور اس کی ابتداء اسلام میں کب ہوئی۔ کے بارے میں مختلف خیالات اور آراء پیش کی گئی ہیں۔

سید امیر محمد شاہ قادری ''ذخیرۃ الملوک'' کے پیش لفظ میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

> ''خلافتِ راشدہ کے بعد عالم اسلام میں جونہی ملوکیت داخل ہوئی دین کی روح مجروح ہونی شروع ہوئی۔ اس کے نتیجے میں پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں صوفیائے کرام کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ یہ سلطنت امیہ کا دور تھا۔ اس دور کے معروف صوفیہ کے سرخیل سید حضرت حسن بصری ہیں۔''[2]

سید محمد فاروق کا خیال ہے کہ جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی مسلمانوں میں فرقہ بندی کا آغاز ہوا اور دین کی طرف بے اعتنائی کی وجہ سے دنیا پرستی کا دور شروع ہوا تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے اخلاقی اور روحانی نظام کی حفاظت کے لئے کمر باندھا جس کے نتیجے میں تصوف وجود میں آیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام میں جونہی خلافتِ راشدہ کا مبارک دور ختم ہوا اور اس کی جگہ ملوکیت نے سنبھالی مسلمانوں کی ایک جماعت حکومت سے الگ ہو کر اس کے اخلاقی اور روحانی نظام کی حفاظت پر کمر بستہ ہو کر میدان عمل میں نکل آئی''[3]

مولانا سید احمد عروج قادری اپنی کتاب میں تصوف کے وجود میں آنے کی وجہ کے

---

[1] سورۂ مزمل [2] ذخیرہ الملوک، مترجم محمد ریاض قادری، صفحہ ۷، [3] کتاب اللمع، مترجم سید اسرار بخاری، پیش لفظ سید محمد فاروق۔

بارے میں رقمطراز ہیں:

''خلافت منہاج نبوت سے بہت پہلے ہٹ چکی تھی۔ مادیت اور دنیا پرستی چھائی ہوئی تھی۔ دینِ اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ سیاست و حکومت کا تھا جو خلفاء، سلاطین اور اُمراء و وزراء کے لئے مخصوص تھا اور دوسرا حصہ عبادات اور فقہی احکام کا تھا جو فقہاء اور علماء کے لئے خاص تھا۔ یہ ماحول تھا جس میں تصوف کی ابتداء ہوئی۔ وہ مادّہ پرستی کے خلاف عملاً دنیا پر آخرت کی ترجیح کے نیک جذبے سے شروع ہوا'' [1]

پروفیسر شفیق الرحمان ہاشمی تصوف کے وجود میں آنے کی وجہ کے بارے میں اپنے خیالات کا یُوں اظہار کرتے ہیں:

''تصوف کے وجود میں آنے کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ بنی اُمیّہ کی حکومت نے نظم ونسق میں ایک خاص دُنیوی پالیسی اختیار کی، شعائر اسلامی سے بے اعتنائی برتی اور حکومت کے نشے میں سادہ صحرائی زندگی کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ان کو یہ عروج حاصل ہوا تھا۔ اعتزال نے مسلمانوں کے مذہبی جوش کی آگ کو فرو کیا اور دولت کی فراوانی نے تعیش اور دنیا طلبی کی طرف مائل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے طرزِ بُود و باش سے وہ پختگی، متانت اور سادگی مفقود ہوگئی جو صحابہ کرامؓ کا خاصہ تھی۔ اس کے علاوہ سیاسی انقلاب، بنی اُمیّہ کی حکومت کا زوال، ایرانی کذابوں کی بغاوتیں اور آئے دن سیاسی خلفشار نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے آدمیوں کو حکومت کے کاموں میں عمل دخل رکھنے سے متنفر کر دیا اور وہ زہد وتقویٰ اور اصلاحِ نفس میں مشغول ہوگئے۔ آخر کار وہ تحریک جو عام مسلمانوں کی عیش پرستی، تکلف اور خانہ جنگیوں کے خلاف محض ایک احتجاج تھی علمی اور عملی نصب العین کی صورت میں ظاہر ہوئی''۔ [2]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بانی سلسلۂ سہروردیہ تصوف کے وجود میں آنے کی

---

[1] تصوف اور اہل تصوف۔ [2] اقبال کا تصورِ دین ،صفحہ 19-218

وجہ کے بارے میں اپنے خیلات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''جب عہدِ رسالتؐ اور انقطاعِ وحی کی مدتِ مدید گذر گئی اور نورِ مصطفویؐ روپوش ہوئے ایک عرصہ گذر گیا لوگ مختلف الآرا ہو گئے اور لوگوں کے راستے الگ الگ ہو گئے اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے میں خود رائے ہو گیا اور طرفہ خیالی اور آزادروی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نفسیاتی خواہشات نے علمی فضا کو مکدّر کر دیا، پرہیزگاروں کی بنیادیں ہل گئیں اور خرافاتِ دنیا میں گر گئے اور خطا کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔ لوگ اعمالِ صالحہ کو چھوڑ بیٹھے بداعمالیوں میں گرفتار ہو گئے، نہ صدقِ عزیمت ان میں باقی رہی اور نہ قوتِ دینی اور سب دنیا کی محبت میں پھنس کر رہ گئے۔ ایسے ناشائستہ اور غیر صالح ماحول میں کچھ حضرات نے گوشہ گیری اختیار کی اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے......اس طرح ایمان ظاہری کے ساتھ ساتھ وہ ایمانِ باطنی سے بھی بہرہ ور ہو گئے۔ ان علوم نے زاویہ نشینوں اور گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا اور اُنہوں نے ان علومِ جدیدہ کے لئے ایسی اصطلاحیں وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدانِ باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں۔ انہی اصطلاحات اور علومِ جدیدہ کو تعلیماتِ تصوف یا تصوف کہا جانے لگا'' [1]

صوف اُون یا نمدے یا پشمینے کے کپڑے کو کہتے ہیں۔ تصوف کے لغوی معنٰی ہیں ''پشمینہ پہننا، صوفیوں کا عقیدہ یا مسلک، علم معرفت، دل سے خواہشوں کو دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا، تزکیہ نفس کا طریقہ'' [2]

صوفی کے لغوی معنٰی ہیں ''پشمینہ پوش، اہلِ تصوف، متقی پارسا، پرہیزگار، فقراء کی اصطلاح میں وہ شخص جو اپنے دل کو غیرِ حق سے پاک صاف رکھے'' [3]

ابونصر سراج سے کسی نے سوال کیا تھا کہ آپ نے صوفیہ کو کیوں کسی مخصوص کیفیت، حال یا علم سے منسوب نہیں کیا جبکہ زاہدوں کو زُہد اور صبر کرنے والوں کو صبر سے منسوب کیا۔ وہ کہتے

---

[1] عوارف المعارف مترجم: شمس بریلوی، صفحہ 205، [2] جامع فیروز الغات، صفحہ 390، [3] ایضاً

ہیں کہ میرا جواب یہ ہے:

''صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معدنِ علم اور طرح طرح کے احوالِ محمودہ سے متصف ہوتے ہیں۔ ہمہ وقت منازلِ ترقی طے کرتے رہتے ہیں۔ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اپنے رب کی قربتوں سے شاد کام ہوتے ہیں اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اب ایسی حالت میں ان کو ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن ہی نہیں رہتا لہٰذا میں نے ان کے ظاہری لباس ہی سے اُنھیں منسوب کیا یعنی اُون کا لباس پہننے والے کیونکہ اُون کا لباس پہننا انبیاء علیہا لسلام اور اولیاؑ و اصفیاء کا شعار رہا ہے'' [1]

اُبونصر سراج کا خیال ہے کہ حضرتِ عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو بھی ظاہری لباس کی وجہ سے ہی جانا جاتا تھا کیوں کہ وہ سفید کپڑا ازیب تن کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اُنھیں ''حواریون'' کے نام سے پکارا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں قرآنِ کریم میں اِسی نام سے یاد فرمایا ہے نہ کہ اُن کے اعمال اخلاق یا احوال یا علوم سے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک صوفیہ بھی اپنے ظاہری لباس سے اسی طرح منسوب کرکے پکارے جاتے ہیں۔ جیسا کہ سفید لباس پہننے کے باعث حضرتِ عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو حواری کہا گیا اور بلاشبہ صوف پہننا انبیاء و اولیاء کا طریق ہے'' [2]

ڈاکٹر غلام قادر لون اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت عیسیٰؑ صوف کا لباس پہنتے تھے، درخت (پتے) ان کی خوراک تھی اور جہاں شام ہو جاتی وہیں رات گذارتے تھے'' [3]

کچھ لوگ صوفی لفظ کو بعد کے زمانے کی ایک خود ساختہ اصطلاح تصور کرتے ہیں لیکن اُبونصر سراج اس بات سے متفق نظر نہیں آتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے:

---

[1] کتاب اللمع، مترجم سید اسرار بخاری، صفحہ ۵۲۔ [2] ایضاً، صفحہ ۵۳۔

[3] مطالعۂ تصوف قرآن و سنت کی روشنی میں، صفحہ ۳۷۔

''کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی بعد کے زمانے کی ایک خود ساختہ اصطلاح ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ حضرت حسن بصری جنہوں نے بعض صحابہؓ کا دور پایا تھا کہتے ہیں کہ میں نے طوافِ کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اُسے کچھ دینا چاہا مگر اُس نے لینے سے اِنکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لئے کافی ہیں'' 1

''تاریخ مکہ'' کتاب کے حوالے سے محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ بات بھی ابونصر سراج نے لکھی ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا، ان حالات میں کسی دور دراز علاقے سے ایک صوفی آتا اور طواف کر کے چلا جاتا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا اور اس کا اطلاق نیکوکار لوگوں پر ہوتا تھا۔

کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ صوفی لفظ آغازِ اسلام ہی سے موجود تھا جیسا کہ متذکرہ بالا بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کی تائید ایران کے ایک مشہور مورخ حسین فریور بھی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک جماعت کا یہ بھی ماننا ہے کہ تصوف اسلام کے آغاز سے ہی موجود تھا اور زہد، عبارت، گوشہ نشینی، دنیا سے بے رغبتی وغیرہ اسلام کے آغاز سے ہی اصحابِ رسولؐ میں رائج تھیں اور مسلمان عبادت، تزکیۂ نفس کی غرض سے کرتے تھے اور اپنے نفس سے جہاد کو بہترین عبادت تصور کرتے تھے'' 2

ایک اور جگہ پشمینہ پوشی کی مناسبت سے صوفیہ کے احوال لکھتے ہیں:

''صوفیہ جماعتی ہستند کہ بہ صفای باطن اہمیت قائل اند و بہ ظاہر اعتنائی ندارند و معتقد نہ کہ اگر دل را از آلودگیہا پاک سازیم و بہ زیورِ فضائل بیارائیم انوارِ حقیقت در آن متجلی می شود۔ این طائفہ از اوائلِ قرن سوم در ایران شہرت داشتند و بہ مناسبت پشمینہ پوشی بہ صوفی معروف بودند'' 3

---

1 کتاب اللمع، صفحہ 53۔ 2 تاریخ ادبیات ایران وتاریخ سحراء صفحہ 149۔ 3 ایضاً صفحہ 148

(صوفیہ وہ جماعت ہے جو باطنی صفائی کے قائل ہیں اور ظاہر کو اہمیت نہیں دیتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ اگر دل کو گناہوں سے پاک کریں اور فضائل کے زیور سے آراستہ کریں تو اس میں حقیقت کا نور جلوہ افروز ہوگا۔ یہ فرقہ ایران میں تیسری صدی کے اوائل سے مشہور ہے اور ان کو پشمینہ پوشی کی وجہ سے صوفی کہتے ہیں)

نور بخش توکلی کہتے ہیں کہ تصوف کی اصل قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ'' فَاعْبُدُ اللّٰہَ مُخلِصاً لَہُ الدِّیْن ''سورہ الزمر (عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ اِس اخلاص کو حدیث جبریلؑ میں اِحسان سے تعبیر کیا گیا ہے'' 1

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ سورہ نور میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو''۔

''صادقین وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ کے طریق کے رہنما ہیں۔ جب سالک اُن کے دوستوں میں شامل ہوجاتا ہے اور اُن کے آستانوں کے خادموں کے زمرہ میں داخل ہوجاتا ہے تو ان کی محبت وتربیت وقوتِ ولایت سے سیر الی اللہ اور ترکِ ماسِوا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے'' 2

تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ بھی صُوف کا لباس زیبِ تن فرماتے تھے اور یہ لباس اہلِ عرب کے نزدیک شہرت میں داخل نہ تھا۔ ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری کی اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے جس میں حضرتِ مغیرہ (603-670) کے بیان کے مطابق رسول اللہؐ ایک جنگ میں صُوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اِسی طرح صحابہؓ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ صُوف کا لباس استعمال کرتے تھے'' 3

صحیح بخاری شریف میں اس سلسلے میں ایک حدیث یُوں درج ہے:

---

1 تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ، صفحہ 479، 2 ایضاً صفحہ 485، 3 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 36۔

''حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں سفر میں آنحضورؐ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے پُوچھا تیرے پاس پانی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ اپنی اُونٹنی پر سے اُترے اور ایک طرف چلے یہاں تک کہ رات کے اندھیرے میں میری نظر سے غائب ہو گئے۔ پھر آئے تو میں نے ڈول سے آپؐ پر پانی ڈالا۔ آپؐ نے مُنہ دھویا، ہاتھ دھوئے۔ آپؐ اُون کا ایک جُبہ پہنے ہوئے تھے، اُس کے آستینیں تنگ تھیں۔ آپؐ نے اپنی بانہیں ان میں سے نکال نہ سکے آخر میں آپؐ نے جُبہ کے نیچے سے دونوں ہاتھ نکال لئے، بانہوں کو دھویا پھر سر پر مسح کیا'' 1

داتا گنج بخش علی ہجویری لکھتے ہیں:

> ''پشم اور اُون وصوف کا مخصوص وضع قطع کا لباس جسے گدڑی کہتے ہیں صوفیائے کرام کا شعار ہے اور یہ لباس سنت کے موافق ہے کیوں کہ رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ پشمین لباس اختیار کرو کیوں کہ اس سے اپنے دلوں میں ایمان کی شیرینی پاؤ گے'' 2

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے ایک صحابی کا ارشاد ہے:

> ''آپؐ صوف (پشمین) کا لباس زیب تن فرماتے اور دراز گوش (گدھے) پر سواری فرمایا کرتے تھے'' 3

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ صوف کا لباس پہنتے تھے اور اُن کے ہاں ایک گدڑی تھی جس میں تیس پیوند لگے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش حضرت حسن بصریؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے کئی بدری صحابیوں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی صُوف کا لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے سات بدری صحابیوں کو دیکھا ہے جو پشمینہ کا لباس پہنتے تھے۔ سیدنا صدیقؓ اکبر خلوت میں صوف کا لباس زیبِ تن فرماتے تھے'' 4

علی ہجویری داتا گنج بخش نے اس سلسلے میں حضور نبی اکرمؐ کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے

---

1 حدیث 748، 350۔ 2 کشف المحجوب مترجم صفحہ 79۔ 3 ایضاً صفحہ 79۔ 4 ایضاً صفحہ 79۔

جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ صوف کی صوفیاء کے ہاں کتنی اہمیت ہے۔ حدیث کا مفہوم یُوں ہے:

''جو صوفیاء کی آواز سنے اور اُن کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوتا ہے'' 1

ڈی۔ اُولیری جو برسٹل یونیورسٹی میں سریانی اور ایرانی زبان کے اُستاد رہ چکے ہیں، اپنی تحقیق میں صُوف اور صوفی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''لفظ صوفی صُوف یعنی اُون سے ماخوذ ہے اور اس طرح سے اس کے معنی اُونی لباس پہنے ہوئے شخص کے ہیں۔ اس طرح لفظ صوفی کے معنی ایسے شخص کے ہو گئے جو سادہ سے سادہ قسم کا لباس اختیار کرتا ہے اور ہر قسم کے عیش وعشرت یا نمائش سے بچتا ہے'' 2

اولیری کا خیال ہے کہ صوفی کا لباس دُنیا سے بیزاری، فروتنی اور سادہ لباس تصور کیا جاتا ہے اور یہی لباس عبرانی انبیاء بھی پہنتے تھے۔ لکھتے ہیں:

اوائل اسلام کے اولیاء واتقیاء اپنے صحرانشین اسلاف کی سنت کے پابند تھے اور عیش وعشرت کو بدعت سمجھتے تھے اور یہ تقریباً وہی جذبہ ہے جو قدیم عبرانی انبیاء میں دیکھنے میں آتا ہے'' 3

حضرت شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

''حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ غلام کی دعوت قبول فرمالیتے تھے۔ سواری کے لئے گدھا استعمال فرماتے تھے اور صوف کا لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس لباس کی ظاہری نسبت سے صوفیاء نام رکھ دیا اور اُنہوں نے صوف کا لباس اس لئے اختیار کیا کہ وہ ہلکا اور ملائم ہوتا ہے اور انبیاء کا پہناوا رہا ہے'' 4

1 ایضاً صفحہ 63۔ 2 فلسفۂ اسلام مترجم احسان احمد صفحہ 153، 3 ایضاً صفحہ 155،

4 عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی صفحہ 200،

حضرت داتا گنج بخش نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، حضرت حسن بصری کے حوالے سے سات بدری صحابیوں کا ذکر کیا ہے جو پشمینہ لباس پہنے ہوئے تھے جبکہ شہاب الدین سہروری نے حضرت حسن بصری کے حوالے سے ہی ستّر بدری صحابیوں کا ذکر کیا ہے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ستّر ایسے اصحاب کو دیکھا ہے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے جنگ بدر میں شریک تھے'' 1

حضرت شہاب الدین سہروردی کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی عرب قمیض پہنتا تو کہتے ''قمص''، یعنی اس نے قمیض پہنی ہے اسی طرح جب کوئی صوف (پشمینہ) پہنتا تو کہتے ''تصوّف'' یعنی صُوف پہنا ہے۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ صوفیہ حضرات کو ایک بلندی سے دوسری بلندی پر عروج ہوتا ہے اور ایک درجے سے دوسرے درجہ پر عبور کرتے ہیں لہٰذا ان کے لئے حال اور علم یا روحانی کمالات کے لحاظ سے کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا ان کو ظاہری لباس یعنی صُوف کی وجہ سے ہی صوفی کہا جانے لگا۔ وہ ایک اور وجہ بھی یُوں بیان کرتے ہیں:

''اربابِ زُہد وتقویٰ کو صوفی سے منسوب کرنے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جب اُن کو ان کے صوف سے منسوب اور متصف کیا گیا تو وہ اس امر کا بھی مظہر بن گیا کہ دنیا اُن کے پاس بہت کم ہے اور نفسانی خواہشات کی طرف ان کو بہت کم رغبت ہے'' 2

اُن کا یہ ماننا ہے کہ صوفیا کا اُونی لباس پہننا ان کی ظاہری حالت کو ظاہر کرتا ہے اور اُن کے حال یا مقام کا تعلق اُن کے باطن سے ہے لہٰذا اس صورت میں صوفیہ کو ظاہری لباس کی وجہ سے ہی صوفی کہنا مناسب ہے کیوں کہ ان کے اس نام سے تواضع، شکستگی، انکساری، گمنامی اور فروتنی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ سے زاہد، عابد اور مُتّقی لوگوں کا لباس اِسی صوف کا رہا ہے'' 3

---

1 عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی صفحہ 200۔ 2 عوارف المعارف صفحہ 201، 3 ایضاً صفحہ 202،

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا بھی خیال یہی ہے کہ صوفیہ کو صوف کا لباس پہننے کی وجہ سے ہی صوفیہ کہا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بغیر کسی تکلف اور بناوٹ کے ظاہر یہ ہے کہ لفظ صوفی صُوف (اُون) سے ماخوذ ہے کیوں کہ صوفیہ کرام اُون کا لباس پسند کرتے تھے اور یہی عام طور پر فقراء کا لباس ہے۔ انبیاء علیہم السلام اُون کا لباس پہنتے تھے'' 1

علامہ اقبال بھی لفظ صوفی کو صوف سے ہی مشتق مانتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار یُوں فرماتے ہیں:

''لفظ صوفی اور تصوف کے متعلق علمائے اسلام اور حال کے مغربی مستشرقین نے بہت بحث کی ہے۔ موخر الذکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے'' 2

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی لفظ ''سین'' سے ہے جس کے معنی سُوف یعنی حکمت اور دانائی ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر صابر کلوری یوں نقل کر کے لکھتے ہیں:

''البیرونی کتاب الہند میں لفظ صوفی کی اور ہی وجہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تصوف اصل میں ''سین'' سے تھا اور اس کا مادہ ''سُوف'' تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ عربی زبان میں آیا اور رفتہ رفتہ صوفی ہو گیا'' 3

مولانا محمد اویس البیرونی کا قول یُوں نقل کرتے ہیں:

''سوف یونان میں حکمت کو کہتے ہیں اور اِسی سے فیلسوف کو یونان میں پیلا سُوف کہتے ہیں یعنی حکمت کا عاشق۔ چونکہ اسلام میں بعض لوگ ان کے قریب گئے اس لئے وہ بھی اسی نام ''صوفیہ'' سے پکارے گئے'' 4

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے گذر جائے۔ ایک جگہ یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

---

1 تعارف فقہ و تصوف مترجم عبدالحکیم شرف قادری، صفحہ 96۔ 2 تاریخ تصوف ترتیب از پروفیسر صابر کلوری صفحہ 59
3 ایضاً صفحہ 59۔ 4 تصوف کیا ہے مجموعہ مقالات، صفحہ 94۔

''تمام مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہوجاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہوکر تغیر وتلون کی حدود سے نکل جاتا ہے تو وہ تمام احوالِ محمودہ سے متصف ہوجاتا ہے اور وہ بشری صفات کی کدورتوں سے نجات پاجاتا ہے'' 1

کچھ صوفیہ کہتے ہیں کہ صوفی صفہ سے بنا ہے لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے البتہ یہاں اصحاب صُفہ کے صفات کے بارے میں لکھنا مناسب ہے۔ علی ہجویری اپنی کتاب میں سنتیس 37 اصحاب کا ذکر کرتا ہے جن میں پہلا نام حضرت بلال بن رباح اور آخری نام حضرت حجاج بن عمر اسلمی ہے۔ وہ اصحاب صفہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''واضح رہنا چاہئے کہ اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت مسجد نبویؐ میں ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتی تھی اور اُنہوں نے کسبِ معاش سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی'' 2

اللہ تعالیٰ نے اصحاب صُفہ کی شان میں قرآن شریف میں بھی ذکر فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''ان لوگوں کو مت نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اُس کی رضا کے خواہاں ہیں'' 3

اصحاب صُفہ وہ لوگ تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں مسجد نبویؐ میں ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ یہ صحابی بالکل بے سرمایہ اور بہت غریب تھے۔ یہ لوگ عبادت میں مشغول رہتے تھے اور کسی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اُنہوں نے دنیا کو ترک کیا تھا۔ اصحاب صفہ کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

''ایک روز رسول کریمؐ اصحاب صُفہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپؐ نے ان کا فقر عبادت میں ان کی جد وجہد اور اس حال میں بھی ان کی خوشدلی کو ملاحظہ فرمایا تو اُن سے فرمایا کہ اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جو

1 کشف المحجوب، صفحہ 67۔ 2 کشف المحجوب، صفحہ 129۔ 3 سورۃ الانعام۔

کوئی ان خوبیوں پر قائم رہے گا جن پر آج تم لوگ قائم ہو اور اس حالت پر خوش رہے گا تو وہ یقیناً قیامت کے دن میرا رفیق ہوگا'' 1

اِن صحابیوں کو جن کی تعداد تقریباً چار سو بتائی جاتی ہے حضورؐ کے فرمان سے قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا اور پھر وہ اس کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے تھے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ حضورؐ اُن کی دلجوئی اور غمخواری فرمایا کرتے تھے، ان سے مصافحہ فرمایا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ چونکہ مفلس، مسکین اور نادار تھے اس لئے اُن کی کفالت کے لئے حضور اکرمؐ ان کو خوشحال لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک ایک صحابی کے ساتھ تین تین، چار چار اصحاب صفحہ کو بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان اصحاب صفہ کے بارے میں یوں نقل کرتے ہیں:

میں نے اصحابِ صفحہ سے ستّر ایسے اصحاب کو دیکھا کہ بس وہ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے کہ ان کا کپڑا ان کے زانو تک بھی نہیں آتا تھا، جب وہ رکوع کرتے تو ہاتھ سے اس کپڑے کو پکڑ لیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستر کُھل جائے'' 2

مفتی غلام معین الدین نعیمی اصحاب صفحہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہی حضرات دورِ اوّل یا دورِ رسالتؐ وخلافت راشدہ کے اربابِ تصوف ہیں۔ خاص طور پر اصحاب صفحہ کی زندگی تو صوفیائے کرام کی زندگی اور اُن کے صوفیانہ خصائل کی صحیح تصویر تھی۔ یہی صوفیانہ خصائل و کردار بعد کے ارباب حال اور اصحاب تصوف کے لئے نمونہ تقلید بن گئے'' 3

ڈاکٹر عبیداللہ فراہی امام ابن تیمیہ کا بیان یوں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں اہلِ صفحہ میں شامل تھا جب شام ہوتی تو ہم رسولؐ اللہ کے دروازے پر حاضر ہوتے۔ آپؐ لوگوں کو ہمیں اپنے ساتھ لے

---

1 عوارف المعارف (اردو ترجمہ) صفحہ 204۔ 2 عوارف المعارف (اُردو) صفحہ 203۔

3 کشف المحجوب مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 11،

جانے کے لئے کہتے۔ ہر شخص ہم میں سے کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتا تھا جو بچ جاتے اُنھیں رسول اللہؐ اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتے تھے لیکن جب مسلمانوں کو فتح و نصرت ملی اور فراوانی آئی تو اُنھوں نے صفہ چھوڑ دیا اور ان میں سے بعض صاحبِ جائیداد بھی ہو گئے'' 1

حضرت شہاب الدین سہروردی کا خیال ہے کہ صوفیہ بھی اصحاب صفہ کی طرح باہم مل جُل کر رہتے تھے اور ان کے حال سے بالکل مشابہت رکھتے تھے جس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے صوفی کو صفہ کا مشتق مانا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر چہ صفہ سے صوفی کا مشتق ہونا اشتقاقِ لغوی کے قاعدے کے اعتبار سے درست نہیں ہے لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے'' 2

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی صوفہ سے نکلا ہے۔ صوفہ ایک عرب قوم کا نام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہی قوم خانہ کعبہ کی مجاور تھی اور یہی لوگ حاجیوں کے لئے آرام و آسائش کا بندوبست کرتے تھے۔ ان میں سے سب سے پہلے غوث بن مُر کا نام صوفہ پڑا۔ کہتے ہیں کہ غوث کی ماں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا نے اُسے لڑکا عطا کیا تو وہ اُسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کرے گی۔ خدا کی قدرت سے لڑکا ہی پیدا ہوا جس کا نام غوث رکھا اور یہی غوث صوفہ کہلایا جس کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ یہی قوم جاہلیت کے زمانے میں حج کا اعلان کرتی تھی اور حج کی اجازت دیتی تھی۔

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی اس سلسلے میں یوں کہتے ہیں:

''اس لفظ کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگوں نے اللہ کے لئے خود کو فارغ کر لیا تھا اور خانہ کعبہ ہی کے ہو کے رہ گئے تھے، اُنہیں صوفہ کہا جاتا تھا۔ پھر بعد میں جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفہ کہلائے۔ دوسری روایت بھی عہد جاہلیت سے متعلق ہے کہ ایک شخص کو اس کی ماں نے بچپن ہی سے خانہ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

1 تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، صفحہ 17 2 عوارف المعارف (اُردو) صفحہ 202 ،

اُس کا نام غوث بن مُر اور لقب صوفہ تھا'' 1

مختصر یہ کہ صوف اہلِ تصوّف کا پسندیدہ لباس رہا ہے اور اسی مناسبت سے اُنھیں صوفی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس بات پر اکثر علماء وصوفیاء متفق نظر آتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج جس چیز کو تصوف سمجھا جاتا ہے اُس کا تصوف کے ساتھ دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔اس سلسلے میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری حضرت ابوالحسن فوشنجہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''آج بے حقیقت چیز کا نام تصوف سمجھ لیا گیا ہے ورنہ اس سے پہلے بغیر نام ایک حقیقت تھی مطلب یہ کہ صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ نام تو نہ تھا مگر اس کے معنی موجود تھے۔اب نام تو ہے مگر معنی کا وجود نہیں یعنی معاملات و کردار تو معروف تھے لیکن دعویٰ مجہول تھا۔ اب دعویٰ معروف ہے لیکن معاملات مجہول ہیں'' 2

کچھ علماء کا خیال ہے کہ ''صوفی'' لفظ صرف صوفیوں کے لئے ہی استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ کچھ ایسے علماء کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جن کا تصوف کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔اس سلسلے میں ایک ایرانی عالم اور مورخ سعید نفیسی کے خیالات کو کبیر احمد جائسی ''سرچشمۂ تصوف'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''چوتھی صدی ہجری تک صوفی لفظ صرف صوفی مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ان مسلمان عالموں اور فاضلوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا جن کا تصوف سے دور کا واسطہ نہ تھا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے صابر بن حیان بن عبداللہ (متوفی 161ھ) اور مشہور منجم ابوالحسین عبدالرحمٰن بن عمر بن سہل رازی (متوفی 376ھ) کے نام مثال کے طور پر لکھے ہیں جن کو صوفی کہا جاتا تھا۔'' 3

یہ بات قبول کرنی پڑے گی کہ اگر صوفی حضرات نہ ہوتے تو زندگی کا روحانیت سے رشتہ کب کا منقطع ہو چکا ہوتا، اخلاص واحتساب نام کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی، باطنی امراض کثرت سے ہوتے، دردِ دل کی بیماریاں پھیلتیں مگر درمان کرنے والا کوئی نہ ہوتا، لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑتے

1 تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ صفحہ 12۔ 2 کشف المحجوب، صفحہ 78۔ 3 ایرانی تصوف، صفحہ 54

اور ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے، شہوت، نفس پرستی، حرص، طمع اور لالچ کا انسان پر تسلط ہوتا غرضیکہ دین کا وہ نفیس شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے یعنی تزکیۂ نفوس اور فقۂ باطن بالکل معطل ہو جاتا اور مسلم معاشرہ بہت پہلے دم توڑ چکا ہوتا اور مادیت کی سرکش اور گرم لہروں نے بچے کھچے ایمان اور یقین کا خاتمہ کیا ہوتا۔ اسی لئے یہی صوفیائے باصفا دین کے سچّے محافظ سمجھے جاتے ہیں۔

دنیائے تصوف میں سب سے پہلے صوفی لقب سے مشہور ہونے والے ابو ہاشم صوفی تصور کئے جاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن جامی کے مطابق ''اوّل کسے کہ وے را صوفی خواندند وے بود، پیش از وے کسّے را بہ این نام نہ خواندہ بودند'' 1؎

یعنی سب سے پہلے جس کو صوفی نام سے پکارا گیا وہی تھا اُس سے پہلے کسی اور کو اس نام سے یاد نہیں کیا گیا تھا۔

علامہ نور محمد توکلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ نام 200ھ سے پہلے مشہور ہو گیا تھا۔ انتہٰی ابو ہاشم صوفی پہلے بزرگ ہیں جن کو صوفی کہا گیا۔ ان سے پہلے کسی بزرگ کو اس نام سے نہیں پکارا گیا جیسا کہ نفحات الانس جامی میں مذکور ہے'' 2؎

ڈاکٹر غلام قادر لون کا بھی یہی خیال ہے کہ ابو ہاشم کوفی ہی کو سب سے پہلے صوفی لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ملا کاتب چلپی، طٰہٰ عبدالباقی سرور، ابراہیم الحیوشی اور حضرت سفیان ثوری کی آراء بھی نقل کرتے ہیں جنہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اُبو ہاشم ہی پہلے صوفی ہو گذرے ہیں جنہیں سب سے پہلے صوفی لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

''ابو ہاشم ایک بزرگ حسن الاطروش کے بھائی تھے جو خود بھی نساک میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا نام احد اور کنیت ابو ہاشم تھی۔ الصوفی کے نام سے مشہور تھے۔'' 3؎

1؎ نفحات الانس تصحیح ومقدمہ مہدی توحید پوری تہران بحوالۂ تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ صفحہ 18

2؎ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ صفحہ 482۔ 3؎ مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 46۔

ڈاکٹر اسرار احمد اپنے خیالات یوں بیان کرتے ہیں:

''یہ لفظ دوسری صدی کے اختتام کے قریب استعمال ہونا شروع ہوا۔ ڈاکٹر میر ولی الدین نے تو اس کے لئے باقاعدہ سن معین کیا ہے، 832ء ۔حضورؐ کا انتقال 632ء میں ہوا اور ہجرت 622ء میں ہوئی تو حضورؐ کے انتقال کے بعد ایک سو نوے (190) برس بعد یہ لفظ ایجاد ہوا۔'' 1

شاہ ابوالحسین احمد نوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اس لفظ کا ان حضرات پر اطلاق 200ھ کے بعد وقوع میں آیا اور سب سے پہلے جو بزرگ اس نام سے پکارے گئے وہ تھے ابو ہاشم۔'' 2

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی میسیون کی تحقیق کے حوالے سے اس سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

''میسیون کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ صوفی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں جابر بن حیان کوفی (حدود 776ء) اور ابو ہاشم کوفی (م 160ھ/ 814ء) کے قریب رائج ہوئی۔ ابو ہاشم کوفی کی اولیت کا ذکر مولانا جامی نے بھی کیا ہے۔'' 3

تاریخ تصوف کے حواشی میں پروفیسر صابر کلوری یوں لکھتے ہیں:

''اس ضمن میں ایک اور تحقیق ڈاکٹر قاسم غنی ایرانی کی ہے جو اپنی مشہور کتاب ''تاریخ تصوف در ایران'' میں عبدک صوفی (م 825ء) کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے وہی صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے تاہم یہ مصنف تسلیم کرتے ہیں کہ خانقاہ کی ایجاد ابو ہاشم کی ہے۔ انہوں نے دوسری صدی ہجری میں (آٹھویں صدی عیسوی) صوفیہ کی تربیت کے لئے رملہ کے مقام پر خانقاہ تعمیر کی تھی۔'' 4

صوف کو ہمیشہ ترک دنیا کا لباس تصور کیا گیا ہے اسی لئے صوفیائے کرام نے اپنے لئے

1 حقیقت تصوف، صفحہ 9۔ 2 شریعت وطریقت مترجم مفتی محمد خلیل خان برکاتی، صفحہ 47۔
3 تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، صفحہ 18۔ 4 تاریخ تصوف، صفحہ 59

اسی لباس کو پسند فرمایا ہے۔صوف تارکِ دنیا لوگوں کی ایک پہچان بن گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص زہد کی طرف مائل ہو جاتا تھا تو وہ صوف پہن لیتا تھا اسی لئے جب حضرت ابراہیم ادھم نے زہد وتقویٰ اختیار کیا تو اس نے کسی گڈریے سے صوف کا لباس حاصل کیا۔لوگ ترکِ دنیا کر کے تصوف اختیار کرتے اور تکبر توڑنے کا صوف ایک بہترین لباس مانا جاتا تھا۔اس لباس کی تصوف میں بہت اہمیت ہے کیونکہ یہ لباس انبیاء کرام نے بھی پہن لیا ہے اور حضورؐ اوران کے صحابہ کرامؓ نے بھی یہ لباس زیب تن فرمایا ہے۔حضرت شہاب الدین سہروردی حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے وقت اُن کے لباس کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

"رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس روز الہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے طور پر کلام فرمایا تو وہ صوف کا جُبہ،صوف کی شلوار اور صوف کی چادر جس کی آستین بھی صوف کی تھیں پہنے ہوئے تھے اور آپ کے پاؤں میں گدھے کی کھال کی جوتیاں تھیں جو بغیر کمائے ہوئے چمڑے کی تھیں۔"[1]

صوفیائے کرام نے صوفی اور تصوف کی معنوی تعریف اپنے ذوق اور حال کے مطابق اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔کبھی کبھی ایک ہی صوفی کی تصوف اور صوفی کی کئی کئی تعریفیں تصوف کی کتابوں میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تصوف اور صوفی کی تقریباً دو ہزار تعریفیں تصوف کی کتابوں میں درج ہیں۔ اس سلسلے میں چند ایک کو درج کرتا ہوں تا کہ تصوف اور صوفی کے بارے میں علماء اور صوفیاء کے خیالات کا پتہ چل سکے۔ابونصر سراج نے اپنی کتاب "کتاب اللمع"، میں کئی صوفیائے کرام کے خیالات اور اقوال نقل کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے مطابق حقائق کے اعتبار میں ہو مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو۔

۲۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا

---

1. عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 202

گیا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی۔ آپ نے فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے۔

۳۔ حضرت ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف تمام نفسانی لذات و حظوظ سے دست کشی کا نام ہے اور صوفیائے کرام کا گروہ وہ ہے جن کی زندگیاں کدورتِ بشری سے آزاد اور آفتِ نفسانیہ سے پاک وصاف ہو کر آرزو اور تمناؤں سے بے نیاز ہو گئے ہیں اور ماسوائے اللہ کے سب سے قطعاً کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور خود کسی کے قبضہ میں ہو۔

۴۔ حضرت ابن جلالی دمشقی فرماتے ہیں کہ تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم و مجاز کا دخل نہیں کیونکہ معاملات و افعال میں رسم و مجاز کا دخل ہے اور اس کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جبکہ تصوف خلق سے کنارہ کشی کا نام ہے تو اس کے لئے رسم و مجاز کا دخل ممکن ہی نہیں۔

۵۔ حضرت ابوعمر دمشقی فرماتے ہیں کہ جہاں کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیرنے کا نام تصوف ہے۔

۶۔ حضرت ابوبکر شبلی فرماتے ہیں کہ تصوف میں شرک ہے اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچانا حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے مطلب یہ کہ اثبات توحید میں غیر کی رویت شرک ہے۔ جب دل میں غیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تو دل کو غیر کے ذکر سے بچانا محال ہے۔

۷۔ حضرت حصری فرماتے ہیں کہ دل کو مخالفت کی کدورت سے پاک وصاف رکھنے کا نام تصوف ہے مطلب یہ کہ باطن کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے۔

۸۔ حضرت محمد بن علی بن امام حسین بن علیؑ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے۔ جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اِتنا ہی زیادہ وہ صوفی ہوگا۔

۹۔ حضرت ابومحمد مُرتعش فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ

برابر ہو مطلب یہ کہ دل مکمل طور پر حاضر رہے۔

۱۰۔ حضرت علی بن بندار صیدفی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کی خاطر خود کو نہ دیکھے چنانچہ جب تم ظاہر پر نظر ڈالو گے تو ظاہر میں توفیق کا نشان پاؤ گے اور جب تم غور کرو گے تو ظاہری معاملات کو توفیق حق کے مقابلہ میں دیکھو گے تو مچھر کے پر کے برابر وزن نہ دو گے اور ظاہری دیکھنا چھوڑ دو گے اور جب باطن پر نظر ڈالو گے تو باطن میں تائید حق کے نشان پاؤ گے۔ جب حق کا مشاہدہ کرو گے تو خود کو بھی نہ دیکھ سکو گے۔

۱۱۔ حضرت محمد مہر بن احمد مقری فرماتے ہیں کہ حق کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام تصوف ہے مطلب یہ کہ صوفی کے احوال کسی اور حال سے نہ بدلیں گے اور وہ کسی کجروی میں مبتلا نہ ہوگا۔

۱۲۔ حضرت محمد عمر فرماتے ہیں کہ رسم و علم کا نام تصوف نہیں ہے بلکہ وصف و اخلاق کا نام ہے۔

ڈاکٹر عبید اللہ فراحی نے اپنی کتاب ''تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ'' میں کچھ صوفیائے کرام کے احوال درج کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معروف کرخی فرماتے ہیں کہ تصوف حق تعالیٰ کے حصول اور جو کچھ خلائق کے ہاتھ میں ہے اس سے دست کش ہو جانے کا نام ہے۔

۲۔ بشر حافی کا کہنا ہے کہ صوفی وہ ہے جو خدا کے ساتھ دل پاک صاف رکھے۔

۳۔ سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں اور نقائص سے پاک اور فکر سے مملو ہو، انسانوں سے علیٰحدہ ہو کر خدا میں مشغول ہو اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہو۔

۴۔ ابوالحسن نوری کہتے ہیں کہ تصوف ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے جو نفس کو مرغوب ہوں۔

۵۔ ابو محمد رُویم کے خیال میں تصوف تین خصائل پر مبنی ہے۔ فقر پر ثابت وقائم رہنا، بذل و ایثار کو شیوہ بنانا اور مشیتِ الٰہی کو اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہوئے اپنے ارادہ و اختیار کو

چھوڑ دینا۔

مولانا محمد اویس ندوی ''مدارج السالکین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تصوف سلوکِ حقیقی کا ایک گوشہ ہے اور اس کا کام نفس کی تہذیب اور اس کا تزکیہ ہے تاکہ اس کو رفیقِ اعلیٰ کی صحبت کی سیر کے لئے تیار کر دے۔''1

ڈاکٹر غلام قادر لون کہتے ہیں کہ ہمیں ایک صوفی سے منسوب مختلف اقوال ملتے ہیں کیونکہ صوفی جس حال میں ہوتا ہے اُسی حال کے موافق ہی وہ بولتا ہے اس بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''صوفی اور تصوف کی معنوی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ہر صوفی نے اس کی تعریف اپنے ذوق اور خیال کے مطابق کی ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ایک ہی صوفی کی تعریفات باہم متضاد بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن ذوق اور جمال کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ تضاد خود بخود درفع ہوجاتا ہے کیونکہ جب ایک صوفی مختلف احوال سے گذرتا ہے تو ہر حال کے مطابق اس کی تعبیر بھی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی صوفی سے منسوب مختلف اقوال ملتے ہیں۔'' 2

حضرت سلطان باہو لکھتے ہیں:

''تصوف آنست کہ خداوند تعالیٰ از خود بہ میراند و بہ خود زندہ کند'' یعنی تصوف یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ تیری ہستی فنا کر دے اور اپنی ہستی کے ساتھ زندہ کر دے یعنی حیات ابدی عطا کرے۔'' 3

حضرت ابونصر سراج صوفی اور تصوف کے بارے میں اپنی کتاب ''کتاب اللمع'' میں کئی صوفیائے کرام کے اقوال اور خیالات نقل کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت جنید بغدادی کے استاد محمد بن علی القصاب کے مطابق تصوف نبی اکرمؐ کے اُن افعال کا نام ہے جو اُنھوں نے ایک زمانے میں اپنے شرفا و صلحا کے ایک گروہ کے سامنے انجام دئے تھے۔

---

1 تصوف کیا ہے (مجموعہ مقالات) صفحہ 95۔ 2 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 59۔

3 محک الفقراء کلاں، صفحہ 2

حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ تیرے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔

حضرت رُویم ابن احمد کہتے ہیں کہ اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنا تصوف ہے۔

حضرت سمنون کہتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی شے تیری مالک بنے۔

اُبو محمد جریری کا قول ہے کہ بُری عادتیں چھوڑنا اور اچھی عادتیں اختیار کرنا ہی تصوف ہے۔

عمرو بن عثمان مکی کا خیال ہے کہ بندہ ہمیشہ اعمال صالحہ کا خواہاں رہے۔ علی بن عبدالرحیم قناد کا خیال ہے کہ اپنے مقام ومرتبت کو محبت الٰہی کے جذبے میں گُم کر کے فنا سے کنارہ کش ہو کر دوام سے واصل ہونا تصوف ہے۔

صوفیہ کے بارے میں مشائخ عظام کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

''عبدالواحد بن زید کا خیال ہے کہ صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور قلوب کو مصائب وآلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں اور نفس کے ہر شعلۂ شرانگیز کو مُرشد کامل کی اتباع سے سرکر دیتے ہیں۔

جنید بن محمد کا قول ہے کہ صوفیہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں جب چاہتا ہے اُنھیں ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے پوشیدہ کر دیتا ہے۔

ابوالحسین نوری کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور اسباب کو تابع کر لیتا ہے۔

ابو محمد عبداللہ احمد بن محمد یحییٰ الجلاء کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو بے نیاز ہو کر اللہ کے ہاں قریب ترین مقام پر فائز ہوتا ہے اور ہر مقام کو جاننے کی سعادت سے سرفراز ہے'' [1]

شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب میں شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی کا قول تصوف کے بارے میں یوں نقل کیا ہے:

---

[1] کتاب اللمع مترجم سید اسرار بخاری، صفحہ 57-56۔

''ہم نے یہ علمِ تصوف قیل وقال کے ذریعہ حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترکِ دنیا اور ترکِ مالوفات (وہ چیزیں جن سے انسان کو الفت ہوتی ہے) و مستحنات سے قطع تعلق کرکے پایا ہے۔ یہی قول حضرت خفیف کا ہے''۔ 1

حضرت جنید بغدادی صوفی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''صوفی زمین کے مانند ہے جسے نیک و بد ہر ایک رُوندتا ہے اور وہ ابر کے مانند ہے کہ ہر ایک پر سایہ فگن ہوتا ہے اور بارش کی طرح ہے ک ہر ایک کو سیراب کرتا ہے۔'' 2

حضرت بابا فرید گنج شکر چشتیہ سلسلے کے معروف بزرگ کا ماننا ہے کہ صوفی وہ ہے جو اپنے بھائی کے عیبوں کو چھپائے۔ شبیر حسین چشتی نظامی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''درویشی پردہ پوشی کا نام ہے۔ خرقہ پوشی کا اہل وہی شخص ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی عیب پوشی کرے اور کسی کے آگے اپنے کشف کا حال بیان نہ کرے اور دنیا کا مال جو اُسے ملے سب اللہ کی راہ میں خرچ کرڈالے اور ذرہ برابر اپنے پاس نہ رکھے۔'' 3

ایک اور جگہ صوفی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''درویش (صوفی) وہی کہلانے کے مستحق ہے جو آنکھو سے اندھا ہو یعنی جسے دوسروں کے عیب نظر نہ آتے ہوں۔ جو بہرا ہو، بے ہودہ بات نہ کہے، جو گونگا ہو یعنی نہ کہنے کی بات زبان سے نہ نکالے، جو لنگڑا ہو یعنی لذتِ نفس کے لئے قدم نہ اُٹھائے۔ جس شخص میں یہ چار باتیں نہ ہوں وہ درویش کہلانے کا مستحق نہیں۔'' 4

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تصوف میں ایک ساحرانہ جذب اور کشش ہے۔ اس نے نا آسودہ ذہنوں کو بالخصوص متاثر کیا ہے۔ دوسرے عرفانِ حقیقت کا شوق اور ایک نئی راہ چلنے کا

---

1 عوارف المعارف، صفحہ 193۔ 2 ایضاً صفحہ 199۔ 3 بابا فرید گنج شکر، صفحہ 76۔ 4 بابا فرید گنج شکر، صفحہ 71۔

جذبہ، جو کچھ کم لذت آگین نہیں ہوتا بہتوں کو اس راہ پر کھینچ لایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اِسے پذیرائی حاصل ہوتی رہی اور وارفتگانِ شوق برابر اس کی طرف لپکے رہے۔'' [1]

ڈاکٹر فراہی کا خیال ہے کہ تصوف زندگی کو غیر جسمانی سطح پر دریافت کرنے کا نام ہے اور یہ روحانی دریافتوں کا مذہب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تصوف روحانی دریافتوں کا مذہب ہے جس کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ انسان کے لئے باطنی طور پر خدا کا براہِ راست تجربہ کرنا ممکن ہے۔ اس بات کو سادہ لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تصوف زندگی کو غیر جسمانی سطح پر دریافت کرنے کی کوششوں کا نام ہے۔'' [2]

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کہتے ہیں کہ تصوف حقیقتِ عرفان کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک دوسری تعریف کے مطابق تصوف حقیقت کے عرفان کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ تعریف اگرچہ متقدمین صوفیہ کے یہاں ناپید نہیں ہے تاہم امام غزالی (505/ 111ھ) سے قبل تصوف کو اس شکل میں پیش نہیں کیا گیا۔ ابن عربی اور دوسرے فلسفہ پسند صوفیہ بھی یہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔'' [3]

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا صوفیائے کرام کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ وہ دین کے محافظ اور نیک اخلاق کی تعلیم دینے والے لوگ ہیں۔ اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں:

''دین کے محافظین کا دوسرا گروہ وہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے باطنی دین کی حفاظت جس کا دوسرا نام ''تصوف واحسان'' ہے، کی استعداد عطا فرمائی۔ ہر زمانے میں اِس گروہ کے بزرگ عوام الناس کے مرجع رہے ہیں۔ طاعت ونیکوکاری کے اعمال سے باطن نفس میں جو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دلوں کو ان سے جو لذت ملتی ہے یہ بزرگ لوگوں کو اس امر کی دعوت دیتے ہیں۔ نیز یہ اُنھیں

---

[1] تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، صفحہ 8۔ [2] ایضاً، صفحہ 11۔ [3] تصوف اور شریعت جلد اوّل، صفحہ 55۔

نیک اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔'' 1

داراشکوہ تصوف کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''تصوف بہترین اخلاق کا نام ہے جس کا اخلاق اچھا اُس کا تصوف اچھا ہے۔'' 2

محمد منظور نعمانی اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''تصوف ایمان و اسلام کی تکمیل کے علاوہ ایک خاص قسم کی روح اور طاقت پیدا کرنے کا بھی ذریعہ ہے اور اگر صلاحیت اور طبیعت کو مناسب ہو تو یقین اور اعتماد، ہمت و عزیمت، صبر و توکل اور ماسویٰ اللہ سے بے خوفی جیسے اوصاف (جو طاعت کا سرچشمہ ہیں) تصوف کے ذریعے ان کو پیدا کیا جا سکتا ہے اور اُبھارا جا سکتا ہے۔'' 3

عبدالماجد دریابادی کا خیال ہے کہ تصوف حضورؐ سے محبت پیدا کرنے کا نام ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سچے تصوف کی بنیاد رسولِ اکرمؐ کے ساتھ محبت و ربطِ قلب پیدا کرنے پر ہے۔ اپنے دل کو اس کی ذاتِ گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے۔ اُسی کو اپنا شیخ اور امام بنایا جائے، اُسی کے نام پر بہ کثرت دُرود و صلوٰۃ بھیجا جائے اور اُسی کے ساتھ پیوندِ محبت مستحکم کر لیا جائے۔'' 4

حضرت شاہ محدث عبدالحق دہلوی تصوف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''تصوف کی تعریف اور تفسیر کے بارے میں حضراتِ صوفیہ کے کلمات مختلف ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تصوف کا مطلب یہ ہے: اخلاق کی اصلاح، باطن کی صفائی، صفات کاملہ سے موصوف ہونا، اللہ تعالیٰ کے صفات سے موصوف ہونا، حق پر قائم رہنا، حقوق کا ادا کرنا، دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مختص کرنا، اُس کے ماسوا سے رغبت نہ ہونا، مذموم انسانی اوصاف کا فنا ہو جانا،

---

1 سلوک و تصوف کا عملی دستور، صفحہ 16۔ 2 سفینۃ الاولیاء، صفحہ 188۔

3 تصوف کیا ہے (مجموعۂ مقالات) 4 تصوفِ اسلام، صفحہ 197۔

دین کے بارے میں یقین حاصل کرنا، دنیا کا ترک کرنا، بے فائدہ کاموں سے
گریز کرنا، تقویٰ کی پابندی اور مولائے کریم جلّ شانہٗ کی محبت۔'' 1

مولانا حکیم محمد ادریس جہان رحیمی تصوف اور سلوک کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی تصوف اور سلوک ہے کہ آدمی کے اندر جانور پن ختم ہو کر انسانیت آجائے،
دیانتداری پیدا ہو جائے، دماغی تناؤ نہ ہو، صبر وضبط کا پیکر بن جائے۔'' 2

صوفیہ تصوف کی راہ پر چلتے ہوئے ہمیشہ فرض کی ادائیگی کا خیال رکھتے ہیں اور بُری عادتوں سے بچتے ہوئے اپنے اللہ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کتاب وسنت کی پیروی اپنے اُوپر لازم گردانتے ہیں۔ اس بارے میں موسیٰ خان جلال زئی اپنے خیالات یوں بیان کرتے ہیں:

''صوفیہ کی خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی اور محارم سے
اجتناب کے علاوہ ہر لایعنی چیز کو ترک کر کے اور ہر اُس تعلق کو منقطع کرتے ہیں
جو اُن کے اور اُن کے مطلوب ومقصود کے مابین حائل ہوتا ہے اور اُن کا مطلب
ومقصود اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔'' 3

عزیز الرحیم دانش امدادی کا خیال ہے کہ تصوف صرف شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ دنیا پرستی سے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تصوف یہ ہے کہ اعمالِ شرعیہ کی پابندی اس طرح کی جائے کہ ہر کام خلوصِ
دل سے اور پوری توجہ سے ادا ہو، محض رسم یا عادت یا دنیوی غرض سے نہ ہو، عمل
کے وقت اور عمل کے بعد دل میں تواضع پیدا ہو، تکبر یا عجب وریا پیدا نہ ہو۔'' 4

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب لکھتے ہیں:

''درویش (صوفی) کے ایک کلمہ میں آگ ہے اور دوسرے میں پانی ہوتا ہے،

---

1 تعارف فقہ وتصوف، صفحہ 94-93۔ 2 قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کی حقیقت، صفحہ 118

3 فلسفۂ تصوف، صفحہ 44۔ 4 تصوف عصر جدید میں، صفحہ 87۔

درویش جب کامل ہوجاتا ہےتو جو کچھ حکم دیتا ہے وہی ہوتا ہے۔ درویش کو مقام قرب اُس وقت تک حاصل نہ ہوگا جب تک وہ سب بیگانوں سے بیگانہ نہ ہوجائے اور تجرید اختیار نہ کرے اور آلائش دنیا سے پاک وصاف نہ ہو۔'' 1

ابونصر سراج کا خیال ہے کہ صوفی کی تعریف عبارات سے کرنا مناسب نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صوفی کی تعریف عبارات سے کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شے اس کی تعبیرات ہیں خواہ اُنھیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اتنا جان لو کہ مشائخ طریقت اور عارفانِ حقیقت کو صوفی کہتے ہیں اور مریدین و متعلقین اور سالکین معرفت کو متصوف۔'' 2

صوفیا کو دنیا کے ہر ملک میں الگ الگ ناموں سے پکارا جاتا ہے، کہیں صوفی، کہیں درویش، کہیں صاحب دل اور کہیں فقیر۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غلام قادر لون نے ان ناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو یوں ہے:

''صوفیہ کو مختلف شہروں اور علاقوں میں الگ الگ ناموں سے پکارا گیا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اُنھیں مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ اہل شام اُنھیں فقراء کہتے ہیں۔ صوفیہ چونکہ اتنی ہی غذا کھاتے ہیں جو اُن کی پشت سیدھی رکھنے کے لئے ضروری ہو اس لئے اُنھیں شام میں ''جوعیہ'' یعنی بھوکے بھی کہا جاتا تھا۔ اہل بصرہ اُنھیں ''الفقریہ'' اور ''الفکریہ'' کا نام دیتے تھے، خراسان میں انھیں ''المغاربہ'' کہا جاتا تھا اور عام طور سے یہ صوفیہ اور فقراء کہلاتے ہیں۔ شیخ ابوبکر کلابازی کے بقول چونکہ اُنھوں نے اپنی املاک ترک کی ہیں اس لئے انھیں ''فقراء'' کہا گیا۔ مفارقتِ اوطان یا ترکِ وطن کرنے کی بناء پر ''غرباء'' کہلائے۔ کثرتِ اسفار کی وجہ سے لوگوں نے انھیں ''سیاحین'' اور جنگلوں میں سفر کرنے اور بوقتِ ضرورت غاروں میں پاہ لینے کی بناء پر بعض لوگوں نے اُنھیں ''شکفیہ'' کا ام دیا کیونکہ ان لوگوں کی زبان میں ''شکفت'' غار کو کہتے

---

1 دلی کے بائیس خواجہ، صفحہ 70۔ 2 کشف المحجوب، صفحہ 69۔

ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو منور کیا ہے اس لئے یہ ''نوریہ'' بھی کہلائے۔ اس کے علاوہ اُنھیں ''درویش'' ''خاصانِ خدا'' ''دوستان خدا'' ''مردان خدا'' ''اہل نظر'' ''اہلِ دل'' ''اہل صفا'' ''اہل طریقت'' ''ارباب حال'' ''ارباب باطن'' ''ارباب صلاح'' اور ''اولیائے کرام'' ''صوفیائے کرام'' ''سالکین'' ''محققین'' ''عرفا'' ''اصفیا'' ''اخیار'' اور ''ابرار'' بھی کہا جاتا ہے'' 1

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں کو قرار دیتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

''۱۔ حضرت ابراہیم کی طرح سخی ہونا۔۲ حضرت اسحاق کی طرح راضی بہ رضائے الٰہی رہنا۔۳ حضرت ایوب کی طرح صبر و تحمل اختیار کرنا۔ ۴ حضرتِ ذکریا کی طرح مناجات کرنا۔ ۵ حضرت یحییٰ کی طرح وجد و ذکر کرنا۔ ۶ حضرت موسیٰ کی طرح صوف پہننا۔ ۷ حضرت عیسیٰ کی طرح سیر فی الارض کرنا۔ ۸ حضرت نبی اکرمؐ کی طرح فقر و توکل اختیار کرنا۔'' 2

حضرت شیخ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والوں اور ریاضت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے اندر دس صفات پیدا کریں جو مندرجہ ذیل ہیں:

''۱۔ وہ جھوٹی قسمیں یا سچّی قسمیں کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔
۲۔ دروغ گوئی سے ہر حالت میں بچتے ہیں۔
۳۔ کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے۔
۴۔ اہل قبلہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔
۵۔ مخلوقِ خدا پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالتے۔
۶۔ متواضع اور منکسر المزاج ہوتے ہیں۔
۷۔ مخلوقات میں سے کسی پر لعنت نہیں بھیجتے۔

---

1 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 13-612) 2 فتوح الغیب، صفحہ 192۔

۸۔ کسی کو بد دعا نہیں دیتے اور ہر قسم کا جور وستم برداشت کرتے ہیں۔

۹۔ طمع اور حرص سے خالی ہوتے ہیں۔

۱۰۔ ظاہری و باطنی ہر قسم کے گناہِ صغیرہ و کبیرہ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔'' [1]

امامِ غزالی حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ جس میں چھ عادتیں پائی جاتی ہیں وہ نارِ جہنم سے دور اور جنت کا مطلوب ہے اور وہ ان چھ عادتوں کو صوفیہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور یہ چھ عادتیں مندرجہ ذیل ہیں:

''۱۔ اللہ کو پہچان کر اس کی عبادت کرے۔

۲۔ شیطان کو پہچان کر اس کی مخالفت کرے۔

۳۔ حق کو پہچان کر اس کی اتباع کرے۔

۴۔ باطل کو پہچان کر اس سے اجتناب کرے۔

۵۔ دنیا کو پہچان کر اس کو ترک کرے۔

۶۔ آخرت کو پہچان کر اس کا طلبگار رہے۔'' [2]

حضرت جنید بغدادی نے بھی تصوف کی بنیادی خصلتیں آٹھ لکھی ہیں یعنی سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، گدڑی، سیاحت اور فقر۔ اس بارے میں وہ یوں لکھتے ہیں:

''یہ آٹھ خصلتیں نبیوں کی اقتداء میں ہیں۔ سخاوت حضرت خلیلؑ سے کیونکہ آپ نے فرزند کو فدا کیا اور رضا حضرت اسمٰعیلؑ سے کیوکہ بوقتِ ذبح اپنی رضا دی اور اپنی جان عزیز کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیا۔ صبر حضرت ایوبؑ سے کہ آپ نے بے حد و غایت مصائب پر صبر فرمایا اور خدا کی فرستادہ ابتلاء و آزمائش پر ثابت قدم رہے۔ اشارہ حضرت ذکریا سے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا'' آپ نے تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا کلام نہ فرمایا'' اور اسی سلسلہ میں ارشاد ہے کہ ''اُنہوں نے اپنے رب کو آہستہ پکارا'' اور غربت حضرت یحییٰ سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کے مانند رہے اور خاندان میں رہتے ہوئے اپنوں سے

---

[1] تذکرہ سیدنا غوث اعظم، صفحہ 42-241۔ [2] مکاشفۃ القلوب مترجم مولانا تقدیس علی خان، صفحہ 220

بیگانہ رہے اور سیاحت حضرت عیسیٰؑ سے کہ آپ نے یکہ وتنہا مجرّد زندگی گذاری ہے اور بجز ایک پیالہ و کنگھی کے کچھ پاس نہ رکھا۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ کسی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیا تو پیالہ بھی توڑا اور جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔ اور گدڑی یعنی صوف کا لباس حضرتِ موسیٰؑ سے کہ اُنہوں نے پشمین کپڑے پہنے اور فقر سید عالمؐ سے کہ اُنھیں روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عنایت فرمادی گئی تھیں اور ارشاد ہوا کہ آپؐ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں بلکہ آپؐ ان خزانوں کو استعمال کریں، آرائش اختیار کریں لیکن بارگاہِ الٰہی میں آپؐ نے عرض کیا۔ اے خدا مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں۔ تصوف کی یہ آٹھ خصائل ہیں جو افعال و کردار میں محمود ہیں۔'' [1]

حضرت سلطان باہو نے بھی کئی برگذیدہ صوفیاء کے اقوال اور ارشادات تصوف کے بارے میں تحریر کئے ہیں۔ وہ اُبوحفص حداد کی تصوف کے بارے میں تعریف کو یوں نقل کرتے ہیں:

''تصوف خلقت کے اِلتفات سے دل صاف کرنے اور طبیعت سے مفارقت کرنے اور صاف بشریت کے نکال دینے اور خواہشاتِ نفسانی کے دور ہونے اور روحانی صفات کے حاصل ہو جانے سے علومِ حقیقی کے ساتھ بلند ہونے اور جو عمل خدائے تعالیٰ کی طرف بلند کرنے والا ہو اس پر کاربند رہے اور تمام اُمت کو نصیحت کرنے والا، وفا بجالانے والا اور پیغمبرؐ خدا کی شریعت کے اِتباع کرنے کا نام تصوف ہے۔'' [2]

حضرت ابوالحسن نوری تصوف کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''تصوف نہ علوم ہے نہ رسوم کیونکہ اگر علوم ہوتا تو پڑھنے سے حاصل ہوتا اور اگر رسوم ہوتا تو مجاہدہ کے ساتھ حاصل ہوتا بلکہ تصوف نامِ اخلاق ہے یعنی خدائے پاک کے خلق کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ پیش آنا۔ یہ تصوف نہ علوم سے ہاتھ آتا

1۔ کشف المحجوب، صفحہ 75-74۔ 2۔ محک الفقراء، صفحہ 3۔

ہے اور نہ رسوم سے ہاتھ آتا ہے۔'' 1

داراشکوہ اپنے مرشد میاں جیو کے تصوف اور صوفی کے بارے میں خیالات اپنی کتاب میں یُوں درج کرتے ہیں:

''صوفی کامل ہوجائے تو اس کا دل خطرات سے پاک ہوجاتا ہے۔ کوئی چیز اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ وہ خود بادشاہ ہوتا ہے۔ (دنیاوی) بادشاہ اس کی نظر میں کیونکر آسکتا ہے۔ سب بادشاہ اس سے مسخر ہوجاتے ہیں۔'' 2

حضرت ابوالمعالی ایک برگزیدہ صوفی گذرے ہیں۔ وہ صوفی کے بارے میں مندرجہ ذیل رائے رکھتے ہیں:

''اگر سالک وقت اور حال کی پیروی کرتا ہے تو وہ ابن الوقت ہے اور صوفی کہلانے کا مستحق نہیں لیکن اگر وہ ہر دو عالم سے مستغنی ہے تو وہ صوفی ہے اور ایسا صوفی ابوالوقت ہوتا ہے۔ ابوالوقت ہونے کی کیفیت اُسے اس وقت میسر آتی ہے جبکہ وہ عالمِ مثال کی تجلی سے فارغ ہو۔ عالمِ مثال جسم اور جان کی درمیانی منزل ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اُسے عالمِ برزخ کہتے ہیں۔'' 3

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب کا خیال ہے کہ تصوف راحت نہیں بلکہ دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا رہنے کا نام ہے۔ صوفی اپنے درد، اپنے درماں، اپنی دعا، اپنی دوا، اپنے سوز اور اپنے ساز اپنی زندگی اور اپنی موت، اپنی فتح اور اپنی شکست کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صوفی تسلیم و رضا، توکل و قناعت، اُمید و بیم محبت و اُخوت، خلوص و خدمت اور ایثار و استقامت کے علمبردار ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر پرستی اور خود غرضی سے کام نہیں لیتے۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب حضرت بختیار کاکی کی صوفی کے بارے میں رائے کو یوں نقل کرتے ہیں۔

''جو درویش اور صوفی دنیا کو دکھانے کی غرض سے اچھا لباس پہنتے ہیں وہ درویش نہیں بلکہ راہِ سلوک کے رہزن ہیں۔'' 4

---

1 محک الفقراء، صفحہ 3۔ 2 سکینۃ الاولیاء، صفحہ 66۔

3 ایضاً، صفحہ 262۔ 4 دلی کے بائیس خواجہ، صفحہ 71۔

علامہ اقبال کا کہنا ہے کہ تصوف ایک عجیب وغریب چیز ہے اور اس میں عجیب کشمکش ہے جس کی وجہ سے اچھے دل ودماغ والے لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ وہ صوفیوں کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''یہ وہ گروہ ہے جس نے قرآن شریف کا وہی مفہوم سمجھا جو صحابہ کرام نے سمجھا تھا جس نے اس راہ پر کوئی اضافہ نہیں کیا جو رسول اللہؐ نے سکھائی تھی۔ جس کی زندگی صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ ہے۔ جو سونے کے وقت سوتا ہے، جاگنے کے وقت جاگتا ہے، جنگ کے وقت میدانِ جنگ میں جاتا ہے، کام کے وقت کام کرتا ہے اور آرام کے وقت آرام کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اپنے اعمال وافعال میں اس عظیم الشان اور سادہ زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے جو نوعِ انسان کی نجات کا باعث ہوئی۔ اس گروہ کے دم قدم کی بدولت اسلام زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا اور یہی مقدس گروہ اصل میں صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔'' 1

سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں:

''تصوف کم کھانے کا نام ہے۔ خدا کے ذکر سے راحت حاصل کرنے کا نام ہے۔ مخلوق سے علیحدہ رہنے کا نام ہے۔'' 2

داتا گنج بخش علی ہجویری صوفی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''اولیائے کاملین اور عرفائے محققین کا نام صوفی ہے۔ یہ گروہِ باصفا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔'' 3

وہ تصوف کے ماننے والوں کی تین قسمیں بتاتے ہیں جن کے بارے میں وہ اپنے خیال کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں:

---

1 تاریخ تصوف علامہ اقبال مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی۔ 2 بحوالہ سفینۃ الاولیاء، صفحہ 175۔
3 کشف المحجوب، صفحہ 68۔

''۱۔ صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشاتِ نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

۲۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت ومجاہدے کے ذریعے اس مقام کی طلب کرے اور وہ اس مقام کی طلب وحصول میں صادق وراستباز رہے۔

۳۔ مُستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت اور مال ودولت کی خاطر خود کو ایسا بنائے اور اسے مذکورہ منازل ومقامات کی کچھ خبر نہ ہو۔'' 1

حضرتِ ہجویری، حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کو طریقت اور تصوف کے امام تصور کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''صفائے باطن کے لئے کچھ اصول اور فروع ہیں۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے اور فرع یہ ہے کہ مکر وفریب سے بھرپور دنیا کو دل سے خالی کردے۔ یہ دونوں صفتیں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ہیں اِسی لئے آپ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں۔'' 2

انہوں نے اپنی کتاب میں مختلف صوفیائے کرام کے اقوال تصوف اور صوفی کے بارے میں درج کئے ہیں۔ صوفی کے بارے میں حضرت جنید بغدادی کے قول کو یوں نقل کیا ہے:

''صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو یعنی اس کا بولنا بوقتِ سکوت مجردِ محض اور یہ دونوں حالتیں درست ہوں۔ جب بولے تو اس کی ہر بات حق ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا ہر فعل فقر ہو۔'' 3

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

''تمام مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے

---

1 کشف المحجوب، صفحہ 69۔ 2 ایضاً، صفحہ 64۔ 3 کشف المحجوب، صفحہ 70۔

آماد ہو جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر تغیر و تلون کے حدود سے نکل جاتا ہے تو وہ تمام احوالِ محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور وہ تمام بشری کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ ایسے بندوں کے احوال کو عام عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہم و گمان کے تصرف سے ان کی زندگی پاک وصاف ہوتی ہے۔'' 1

امام قشیری صوفیہ کے بارے میں کہتے ہیں:

''صوفی سرسام کی بیماری کی مانند ہے پہلے بکواس ہوتی ہے آخر میں خاموشی پھر جب قائم ہو جائے تو گونگا بنا دیتی ہے۔'' 2

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کتاب ''تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف'' کا اُردو ترجمہ بعنوان ''تعارف فقہ وتصوف'' علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے کیا ہے جس کا پیش لفظ سید عبدالرحمان بخاری ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری لاہور نے تحریر کیا ہے۔ وہ تصوف کے بارے میں اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''تصوف علمی نظریہ نہیں بلکہ عملی تجربہ ہے۔ خالص شخصی، باطنی اور روحانی تجربہ ہے۔ تصوف کہنے سننے کی نہیں سیکھنے کی اور برتنے کی چیز ہے۔ یہ ذہن وخرد سے نہیں بلکہ قلب و وِجدان کی راہ سے ملتا ہے۔ یہ خارج سے نہیں چمکتا باطن سے پھوٹتا ہے۔ فکر ونظر کے سانچے میں نہیں پنپتا احساس سے اور انفاس کی گہرائیوں میں پلتا ہے۔ اس کا رویہ عقلی تجسس نہیں تسلیم وتفویض ہے۔ اس کا اسلوب بحث وجدل نہیں روحانی واردات ہے اور اس کا حاصل ظن وتخمین نہیں حق الیقین ہے۔'' 3

حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کا مفہوم یوں ہے:

''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ کو پکارتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔ جبریل آسمان کے فرشتوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت

---

1 کشف المحجوب، صفحہ 67۔ 2 ایضاً، صفحہ 247۔ 3 تعارف فقہ وتصوف، صفحہ 24۔

کرتے ہیں تو پھر تمام فرشتے اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والے بھی اس کو مقبول سمجھتے ہیں۔'' 1

امام غزالی مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں صوفی باصفا کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اضافی عبادات ونوافل سے اللہ تعالی کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے عاجزی اور انکساری سے قرب الٰہی حاصل کرنے میں مجاہدہ کرتا ہے تو پھر اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ صوفی کو اپنا ولی اور دوست بنالیتا ہے۔ اس کے بارے میں حضورؐ کی ایک اور حدیث مکاشفۃ القلوب میں یوں درج ہے:

''حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے اس جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں۔ جب وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کی وسعت کے برابر اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل پڑتا ہے تو میری رحمت بڑھ کر اسے سایۂ عافیت میں لے لیتی ہے یعنی میں اُس کی دعاؤں کو جلدی قبول فرماتا ہوں۔'' 2

حضرت ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس تصوف کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''تصوف کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ بہت سی مختلف چیزیں اس نام سے موسوم ہوگئی ہیں۔ جس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں وہ اور چیز ہے جس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں وہ ایک دوسری چیز اور جس تصوف کی ہم اصلاح چاہتے ہیں وہ ایک تیسری چیز ہے۔'' 3

ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیا میں تھا مثلاً فضیل بن عیاض، ابراہیم ادھم، معروف کرخی وغیرہ رحمہم اللہ۔ اس کا کوئی الگ فلسفہ نہ تھا، اس کا کوئی الگ طریقہ نہ

1 صحیح بخاری شریف جلد دوم مترجم حدیث 422، صفحہ 250۔

2 مکاشفۃ القلوب مترجم مولانا تقدیس علی فناں، صفحہ 368۔

تھا۔ وہی افکار اور وہی اشغال اعمال تھے جو کتاب وسنت سے ماخوذ تھے اور ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود ہے یعنی اخلاص اللہ اور توجہ فی اللہ۔ اس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور صرف تصدیق ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زندہ اور شائع کر دینا چاہتے ہیں۔'' 1

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

''یاد رکھ کہ تصوف محض قیل وقال اور بحث وتمحیص سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تصوف کا حصول لذات وشہوات کو چھوڑنے اور ذکر وفکر کے احترام سے وابستہ ہے۔'' 2

مولانا محمد اویس تصوف پر بحث کرتے ہوئے حضرت امام شافعی کا ایک مشہور قول یوں نقل کرتے ہیں:

''میں نے صوفیہ کی محبت اختیار کی اور اُن کی دو باتوں سے بڑا نفع اٹھایا۔ ایک یہ کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا اور دوسری بات یہ کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تم کو باطل میں مشغول کر دے گا۔'' 3

ڈاکٹر اسرار احمد صوفیہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''یہ جو اللہ والے حضرات تھے جن کی زیادہ توجہ دنیا کی بجائے اللہ کی طرف تھی۔ ان میں دنیا و مافیہا سے بے رغبتی تھی۔ اللہ کے ساتھ خلوص اور اخلاص تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ معرفت کے عامل تھے جنہوں نے تہذیب نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کی منزلیں طے کی تھیں جن میں درویشی تھی یہ حضرات اُون کا لباس پہنا کرتے تھے۔'' 4

شیخ ابونصر سراج کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام اس دھرتی پر اللہ کے اسرار اور اس کی معرفت کے امین ہیں اور یہی لوگ اللہ کے بہترین بندے، متقی دوست اور اس کے سچے پرستار

---

1 تصوف اور تعمیر سیرت مولانا مودودی کی تحریروں کی روشنی میں مرتبہ عاصم نعمانی، صفحہ 34۔

2 فتوح الغیب، صفحہ 192۔ 3 تصوف کیا ہے (مجموعہ مقالات) صفحہ 101۔ 4 حقیقت تصوف، صفحہ 10

ہیں۔ان کے آداب کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''اُن کے کچھ مخصوص آداب ہیں مثلاً زیادہ کے مقابلے میں تھوڑی سی دنیوی دولت پر قناعت، قوتِ لایموت، ضروری لباس بچھونا اور دیگر انتہائی ضروری چیزوں پر گذارہ، امیری پر فقیری کو ترجیح، کثرت کے مقابلے میں قلت پر قناعت، شکم سیری پر بھوک کو اختیار کرنا، غرور فخر اور علومرتبت سے کنارہ کشی، چھوٹوں پر شفقت اور ہر ایک سے تواضع سے پیش آنا، خلقِ خدا کے لئے ضرورت کے وقت قربانی دینے کی جرأت، دنیا حاصل کرنے والوں پر رشک نہ کرنا، اللہ سے حسنِ ظن، طاعت میں سبقت، تمام اچھائیوں کی طرف قدم بڑھانا، توجہ الی اللہ، فقط اللہ سے لو لگانا، آزمائشوں پر صبر اختیار کرنا، اللہ کے ہر فیصلے پر اظہار رضامندی، مسلسل مجاہدۂ نفس، مخالفتِ خواہشات اور اس نفسِ امارہ سے دشمنی جسے اللہ نے امارہ بسوء کے نام سے پکارا اور جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے پکارا کہ یہی نفسِ امارہ ہی وہ بدترین دشمن ہے جو تیرے پہلو میں موجود ہے، الغرض یہ وہ خوبیاں ہیں جو صوفیہ کرام کے اعلیٰ کردار کا جُز ولاینفک ہیں۔'' 1

تصوف کی کتابوں میں صوفیائے کرام کے اوصاف اور خوبیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اُس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، خدا کی پوشیدہ حکمتوں پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔دل میں کبھی بُرے خیالات نہیں لاتے ہیں، ان کی نیت صاف اور خیالات پاکیزہ ہوتے ہیں۔وہ ہمہ وقت اللہ ہی سے صدق دل کے ساتھ التجا کرتے ہیں اور اپنے ہر معاملے کو اُسی پر چھوڑ دیتے ہیں، اُس کے آگے سرِتسلیم خم کرتے ہیں اور اُسی کے سہارے ہر خوف سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔قاضی سجاد حسین مقدمۂ مثنوی مولوی روم میں ان صوفیوں کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''صوفی وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو غیر اللہ سے محفوظ رکھے، دل میں کوئی شیطانی خطرہ نہ آنے دے، عبادت و ریاضت میں اُصولِ شرع پر قائم رہے''۔ 2

---

1 کتاب اللمع، صفحہ 39۔ 2 مثنوی معنوی مولوی، صفحہ 24۔

حضرت غوثِ صمدانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

''''صوفی پاک شخص کو کہتے ہیں اور پاک وہ ہے جو اپنے دل کو نفس کی آفتوں اور مذموم کاموں سے پاک رکھے، نیک کام کرے، خدا کے حضور اُسے سکون حاصل ہو''۔ 1

ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں:

''صوفی کا وصول اپنے محبوب سے یہ ہوتا ہے کہ وہ مشقت اور محنت کی منزل طے کر کے منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ محبوب کا وصل اُسے حاصل ہو جاتا ہے، اُس کا نفس اللہ کی محبت سے مل جاتا ہے، اس کے دل سے دنیا کی ہوس دور ہو جاتی ہے، اُس کی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی تب وہ صوفی کہلاتا ہے۔'' 2

امام غزالی کی صوفیہ کے بارے میں رائے یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو تمام کدورتوں سے پاک کرتے ہیں اور یُوں لکھتے ہیں:

''صوفیاء صیقل کرتے ہیں اور علماء نقش بناتے ہیں تو جو کچھ علماء پر ظاہر ہوتا ہے ان پر (صوفیہ) اور زیادہ روشن ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے اور علماء کی پہنچ سے زیادہ ایسے امور منکشف ہوتے ہیں جن تک علم کی رسائی نہیں ہوتی۔'' 3

علامہ نور بخش توکلی تصوف کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفوس اور تزکیۂ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی علم کی غایت وصول الی اللہ اور سعادتِ ابدی حاصل کرنا ہے۔'' 4

ڈاکٹر صفدر علی بیگ یوں تصوف کی تعریف کرتے ہیں:

''تصوف وہ علم ہے جو وجودِ باری تعالیٰ سمجھنے میں مدد دیتا ہے خالق اور مخلوق دونوں سے محبت پیدا کرنا اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اس کا

---

1 غنیۃ الطالبین، صفحہ 629۔ 2 ایضاً صفحہ 629۔

3 المرشد الامین خلاصہ احیاء العلوم (اُردو ترجمہ) صفحہ 155۔ 4 تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ، صفحہ 479۔

سب سے بڑا مقصد اور مطمع نظر، صبر وقناعت فقر ومسکینی، خدا پر اعتماد اور توکل، سنجیدگی، سکوت، عبادت وریاضت یادِ الٰہی، ذکر وفکر، نیکی واخلاق، ہمدردی، اُنس ومحبت اور ایثار وقربانی کا درس دینا ہے۔'' [1]

ڈاکٹر غلام قادر لون تصوف کی تعریف خوبصورت انداز میں یوں کرتے ہیں:

''تصوف اسلام کے جمالی پہلو کا ترجمان ہے اور اس کے ذریعے بعض اوقات اسلام کی شان جمال کا بھرپور ظہور ہوا ہے۔ اس کا تابناک اور روشن حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت سے ماخوذ یا ہم آہنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صادقین، قانتین، مخلصین، محسنین، عابدین، خاشعین، متوکلین، صابرین، اولیاء، ابرار وغیرہ ناموں سے اپنے نیک اور صالح بندوں کا ذکر کیا ہے، صدق، اخلاص، احسان، عبادت، خشوع خضوع، فقر، توکل، صبر، شکر چونکہ صوفیہ کی صفات ہیں اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ صوفیہ معنوی طور پر ان میں شامل ہیں۔ اِسی طرح قرآن میں توبہ، انابت، اخلاص، صبر...... یقین وغیرہ کی تعریف آئی ہے یہی چیزیں تصوف میں احوال یا مقامات کہلاتی ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن میں دنیوی زندگی کو لہو ولعب اور دھوکے کی پونجی کہا گیا ہے یہ چیزیں تصوف کی اساس ہیں اور قرآن حکیم میں اخلاقِ حسنہ پر خاص زور دیا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ تصوف حسن اخلاق کا دوسرا نام ہے۔'' [2]

ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

''دوسرے علوم اسلامیہ کی طرح تصوف میں بھی قرآن کو مرجع اوّل کا مقام حاصل ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ہر بحث کے شروع میں قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ مطالعۂ تصوف کے دوران قرآن سے صوفیہ کا کثرتِ استدلال قاری کے دل کو موہ لیتا ہے۔ صوفیہ کا طرز استدلال اس فہم پر مبنی ہوتا ہے جو تلاوتِ کے دوران اللہ تعالیٰ صوفی کو عطا کرتا ہے......صوفیہ کے یہاں

[1] تصوف کے مسائل اور مباحث، صفحہ 7۔ [1] مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 44-543۔

قرآن کے ہر حرف میں ایک جہانِ معنی پوشیدہ ہے جس کا احاطہ کرنا انسان کے
بس کی بات نہیں۔'' 1

ڈاکٹر غلام قادر لون صوفیہ کو سنتِ رسولؐ کے سچّے پیروکار مانتے ہیں اور اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''سنت رسولؐ کی پیروی تصوف میں صرف گفتار تک محدود نہیں ہے بلکہ ارباب
حال کا عمل اس کی مکمل تائید کرتا ہے۔'' 2

یہ بات تمام صوفیائے کرام اور مشائخ عظام مانتے ہیں کہ اہل تصوف قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں خلقتِ خدا پر شفقت کرتے ہیں، غریبوں، مسکینوں، ناداروں، یتیموں، بیواؤں کی مدد فرماتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام میں اپنی زندگی صرف کرتے ہیں بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں، صالح معاشرہ ترتیب دینے میں دن رات محنت کرتے ہیں اور تمام خلقِ خدا کی سلامتی کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ اخلاق، نرمی، بردباری اور انکساری سے پیش آتے ہیں ڈاکٹر غلام قادر لون صوفیہ کے اوصاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اہل تصوف نے عالمگیر اخوت، مساوات اور بھائی چارے کا سبق دیا ہے اور
اختلاف وتفریق کو ہوا دینے کے بجائے خلوص، دردمندی محبت اور مودّت کے
چراغ روشن کئے۔ اُنہوں نے اپنے حسن اخلاق اور اعلیٰ ظرفی سے بعض اوقات
ایسے دلوں کو زندگی بخشی جو انسان دوستی سے خالی ہو کر بالکل ویران ہو چکے تھے۔
اُنہوں نے لق و دق صحراؤں، فلک بوس پہاڑوں، بے کران سمندروں اور بنجر
زمینوں کو عبور کر کے اشاعتِ دین کی وہ تابناک روایات قائم کیں جو ہماری ملّی
تاریخ کا اایک روشن اور ناقابلِ فراموش باب بن چکی ہیں۔'' 3

عبدالرحیم دانش امدادی کا خیال ہے کہ حُسنِ عمل اور احسان ہی تصوف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''دین کا نصب العین اللہ رب العالمین کا تقرب اور اس کی خوشنودی کا حصول
ہے اور حق تعالیٰ کے قرب ورضا کا ذریعہ ایمان، اسلام اور احسان ہے۔ احسان

---

1 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 545۔ 2 ایضاً۔ 1 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 570۔

یا حُسنِ عمل ہی کو سلوک و تصوف کہتے ہیں۔'' 1

ابو حفص حداد نیشاپوری کے قول کو داتا گنج بخش نقل کرتے ہوئے یوں تصوف کی تعریف کرتے ہیں:

''تصوف سراسر ادب ہے، ہر وقت ہر مقام اور ہر حال کے لئے متعین آداب و احکام ہیں۔ جس نے ان آداب کی پابندی کو ان کے اوقات میں لازم رکھا وہ مردانِ خدا کے درجہ پر فائز ہو گئے اور جس نے ان آداب کی پابندی کو ملحوظ نظر نہ رکھا اور اسے رائگاں کر دیا وہ قرب حق کے خیالات اور قبولِ حق کے گمان سے محروم رہ کر مردود بنے گا۔'' 2

امامِ غزالی کا کہنا ہے کہ تصوف کے تین بنیادی عناصر ہیں اور اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''اسلامی تصوف کے تین بنیادی عناصر ہیں۔

۱۔ نظریاتی ایمان کو گہرے قلبی شعور تک پہنچانا اور اسے دینی تصور سے متحرک وحساس دل میں بدلنا۔

۲۔ الٰہی نسبت کی روشی میں نفس کو سنوارنا تا کہ وہ درجۂ کمال تک پہنچ کر بندگی کے لائق ہو جائے یعنی یہ کہ انسان فضائل کا جامع اور رذائل سے پاک وصاف ہو جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے قابل ہو سکے۔

۳۔ زندگی کے اس چھوٹے سے وجود کو اس بڑے وجود کا حصہ سمجھنا جو موت کے بعد تک پھیلا ہوا ہے تا کہ دنیا سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دوری محسوس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کے خیال سے تنگ دل نہ ہو۔ یہ تینوں عناصر رسول اللہؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی سیرت میں نمایاں نظر آتے ہیں۔'' 3

صوفی ہمیشہ خدمت خلق میں کمر بستہ رہتا ہے اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے اور دنیا کو آخرت کی تیاری کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اُسے اس بات کا یقین ہے کہ ''الدنیا مزرع الآخرۃ'' اسی لئے

1 تصوف عصر جدید میں، صفحہ 21۔ 2 کشف المحجوب، صفحہ 76۔ 3 اسلامی تصوف مترجم ابو مسعود اظہر ندوی، صفحہ 215۔

صوفی دنیا کو مستقل ٹھکانہ نہیں سمجھتا ہے۔آج عوام کی بڑی تعداد وجودیت، اشتراکیت اور اباحیت وغیرہ کا شکار ہے اور اس دنیا سے آگے اُن کی نگاہ جاتی ہی نہیں ہے اس لئے اُنھیں جو کچھ مل سکتا ہے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں کیونکہ ان کے لئے یہی اوّلین اور آخرین موقع نظر آتا ہے۔اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصور ہی اُن کے پاس نہیں ہوتا۔ایسے لوگ دوسروں کی تکلیف دور کرنے کے بجائے لوگوں کی تکلیف کے باعث بنتے ہیں۔صحیح بخاری شریف میں حدیث درج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''رسول اللہؐ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں وہ مسلمان افضل ہے''۔ [1]

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان نے مرتے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ یہ دنیا بہت گہرا سمندر ہے اس میں بہت لوگ غرق ہو گئے ہیں۔اس سے گذرنے کے لئے خوف خدا کی کشتی بناؤ جس میں بھراؤ ایمانِ خداوندی کا ہو اور اسے توکل کے راستوں پر چلانا تاکہ نجات پا جائے ورنہ نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔

صوفیہ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اُن کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا ہے۔وہ فقر وفاقہ کو درجات کی بلندی کے لئے اہم مانتے ہیں۔وہ حرام کردہ چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور دین کی پیروی کرنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔امام غزالی اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''جو حرام کردہ چیزوں سے کنارہ کش ہوا وہ توبہ پر مائل ہوا، جس نے رزقِ حلال کمایا وہ متقی بن گیا جس نے فرائض کو انجام دیا اس کا اسلام مکمل ہو گیا۔جس نے زبان کو راست گو بنایا وہ ہلاکت سے بچ گیا، جس نے سنن کو ادا کیا اس کے اعمال پاکیزہ ہو گئے اور جس نے خلوص سے اللہ کی عبادت کی اس کے اعمال مقبول ہو گئے۔'' [2]

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے اپنی کتاب میں تصوف کے بارہ (12) فرقوں کا

---

[1] حدیث 10-9، جلد اوّل، صفحہ 112 [2] مکاشفۃ القلوب مترجم مولانا تقدیس علی خان، صفحہ 197

ذکر کیا ہے۔اُن کا خیال ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے بعد تصوف میں فرقہ بندی ہوئی اور کئی فرقے وجود میں آ گئے جنہوں نے تصوف میں غلو سے کام لے کر حدِ اعتدال سے تجاوز کیا۔ان فرقوں کے نام اور تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ فرقۂ محاسبیہ:- اس فرقہ کی نسبت حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی سے ہے۔ وہ اپنے زمانے کے ایک عظیم بزرگ تصور کئے جاتے تھے۔آپ کے تمام ظاہر و باطن معاملات درست تھے۔

۲۔ فرقۂ قصاری:- اس فرقہ کے پیشوا حضرت ابوصالح بن حمدو بن احمد بن عمارہ قصارہ ہیں۔اُن کا مسلک و مشرب ملامت کی نشر و اشاعت ہے۔وہ اکابر علماء اور ساداتِ طریقت میں سے ہیں۔

۳۔ فرقۂ طیفوریہ:- اس فرقے کے رہرو حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی تصور کئے جاتے ہیں۔ وہ اکابر اور سادات صوفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ صاحب سکر اور صاحب غلبہ تھے۔

۴۔ فرقۂ جنیدیہ:- اس فرقے کے رہبر حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی مانے جاتے ہیں۔اُنہیں طاؤس العلماء کا خطاب حاصل تھا وہ مشائخ کے سردار اور امام الائمہ تھے۔اُن کا طریقہ طیفوریہ کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔

۵۔ فرقۂ نوریہ:- اس فرقے کے بانی ابوالحسن احمد بن نوری مانے جاتے ہیں جو ایک جلیل القدر عالم تصور کئے جاتے تھے اور نوری کے لقب سے مشہور تھے۔تصوف میں ان کا عقیدہ قدریہ تھا۔وہ صحبت کو پسند ہی نہیں بلکہ فرض سمجھتے تھے اور گوشہ نشینی کو ناپسند فرماتے تھے۔

۶۔ فرقۂ سُہیلیہ:-حضرت سہل بن عبداللہ تستری اس فرقہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔ وہ اجتہاد، مجاہدۂ نفس اور ریاضتِ شاقہ میں یقین رکھتے تھے اور مریدوں کو مجاہدے سے درجۂ کمال تک پہنچاتے تھے۔

۷۔ فرقۂ حکمیہ:- اس فرقے کے پیشرو حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی مانے جاتے ہیں جو اپنے زمانے میں امامِ وقت اور ظاہری و باطنی علوم کے ماہر مانے جاتے تھے۔اِس

فرقے کی خصوصیت اثباتِ ولایت اوراس کے قواعد و درجات کا بیان ہے۔آپ کثیر التصانیف بزرگ شمار کئے جاتے ہیں۔

۸۔ فرقۂ خرازیہ:- اس فرقہ کے بانی حضرت ابوسعید خرازی مانے جاتے ہیں۔ طریقت پراُنھوں نے بہت سی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔فنااور بقاء پر سب سے پہلے اُنہوں نے ہی بات کی ہے۔

۹۔ فرقۂ خفیفیہ:- اس فرقہ کے بنیادگذار حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی ہیں۔اپنے زمانے کے مشائخ عظام میں بہت ہی مقبول اور محبوب تھے۔اُنھیں علوم ظاہر و باطن کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔نفسانی خواہشات کو طریقت کا دشمن تصور کرنے والے بزرگ مانے جاتے تھے۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُنہوں نے بہت شادیاں کی تھیں۔

۱۰۔ فرقۂ سیاریہ:-حضرت ابوالعباس سیاری اس فرقہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔وہ مروشہر کے امام۔تمام علوم کے ماہر اور حضرت ابوبکر واسطی کے مصاحب تھے۔شہر مرو اور یشار میں ان کے مرید کثرت سے موجود تھے۔

۱۱۔۱۲۔ ملحدوں کے حلولی فرقے:- ان کے دو گمراہ فرقے ہیں۔یہ لوگ صوفیاء کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں مگر اصل میں وہ گمراہ اور راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک گروہ ابوحلمان کو اپنا رہبر مانتا ہے اور ان کے ماننے والے حلول و امتزاج اور نسخ ارواح کی باتیں اُن سے منسوب کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ بھی مردود ہے جو فارس کی طرف نسبت کرتا ہے۔وہ حضرت حسین بن منصور سے اپنے مذہب کو ملاتے ہیں حالانکہ ان ملحدوں کے سوا حضرت حسین بن منصور کے مریدوں میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے۔

اصل میں متذکرہ بالا فرقوں میں دس۱۰ فرقے ہی صرف مقبول اور معتبر سمجھے جاتے ہیں باقی دونوں فرقے مردود تصور کئے جاتے ہیں۔ان تمام فرقوں کی تفصیل علی ہجویری کی کتاب ''کشف المحجوب''میں دیکھی جاسکتی ہے جو ایک سو بائیس (122) صفحات پر مشتمل ہے۔

تصوف کی کتابوں میں صوفیائے کرام کے چودہ(۱۴) خاندان جنہیں ''چہاردہ

خانوادہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دیکھنے میں آتے ہیں جو چار پیرانِ طریقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن چار پیروں کے بارے میں مشہور ہے کہ اُنھیں خرقۂ ولایت شاہِ ولایت حضرت علی سے ملا تھا۔ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت حسنؓ، ۲ حضرت حسینؓ، ۳ حضرت کمیل، ۴ حضرت حسن بصری، انہی حضرات کو خلیفۂ علیؓ کے نام سے جانا جاتا ہے جن سے چہاردہ خانوادے وجود میں آئے ہیں۔انہی خانوادوں سے تمام سلاسلِ تصوف نکلے ہیں اور آج تک لوگوں کے دِلوں پر راج کرتے ہیں۔ان چہاردہ خانوادے کی مکمل تفصیل ڈاکٹر غلام قادر لون نے بھی اپنی کتاب ''مطالعۂ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں'' درج کی ہے۔ میں یہاں مختصراً ہر ایک خانوادہ کا تعارف دینے پر ہی اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ خانوادہ زیدیان:- اس خانوادہ کے بانی شیخ عبدالواحد بن زید ہیں جو حضرت حسن بصری کے شاگرد ہیں۔ اس خانوادہ سے وابستہ صوفی حضرات ہمیشہ جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔شہر اور آبادی سے دور رہنا ان کا شیوہ ہے۔کسی سے نذرانے وغیرہ نہیں لیتے ہیں۔میوہ اور گھاس کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔کسی جاندار کو مارنا گناہ سمجھتے ہیں۔

۲۔ خانوادہ عیاضیان:- اس سلسلے کے ماننے والے حضرت فضیل بن عیاض کو اپنا مُرشد مانتے ہیں جن کی وجہ سے اس خانوادہ کی بنیاد پڑی ہے اور اِسی نسبت سے اُنھیں عیاضیان کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، نکاح نہیں کرتے ہیں اور نئے کپڑے پہننا پسند نہیں کرتے ہیں۔مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا پسند کرتے ہیں۔ ننگے پاؤں سفر کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

۳۔ خانوادہ ادھمیان:- جو درویش اس سلسلے سے وابستہ ہیں اُنہیں ادھمیان کہتے ہیں۔ اُن کا پیشوا حضرت ابراہیم ادھم ہے یہ لوگ بھی سفر میں رہتے ہیں اور عیاضیان کی طرح یہ بھی نکاح نہیں کرتے ہیں۔مجرّد رہنا پسند کرتے ہیں۔اہل دُنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔مجاہدہ اور ریاضت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

۴۔ خانوادہ ہبیریان:-اس خاندان کی نسبت حضرت ہبیرہ بصری سے ہے۔ہبیریان باوضو رہتے ہیں،بستی سے دُور قیام کرنا پسند کرتے ہیں۔یادِ خدا میں محو رہتے ہیں اور مجرّد زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔یہ لوگ بھی میوہ اور جنگلی گھاس کھانے کو ترجیح دیتے ہیں اور کسی سے کچھ نہیں مانگ لیتے ہیں۔

۵۔ خانوادہ چشتیان:-یہ خانوادہ خواجہ علود ینوری سے تعلق رکھتا ہے جو خواجہ ہبیرہ کے مُرید تھے۔خواجہ علودینوری نے اپنے مُرید خواجہ ابواسحاق کو خراسان کے شہر چشت روانہ کیا تھا اور وہاں اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے بعد وہاں کے رئیس احمد چشتی اُن کے مُرید ہو گئے اور خواجہ ابواسحاق سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔اپنے بعد اپنے فرزند خواجہ محمد چشتی کو خلافت عطا فرمائی۔اُن سے یہ خلافت اُن کے خواہرزادہ خواجہ ناصرالدین،اُن سے اُن کے فرزند خواجہ قطب الدین مودود چشتی کو پہنچی جس کی وجہ سے یہ ''پنج خواجگان'' کہلائے۔برصغیر میں اس خانوادہ کے بڑے بڑے بزرگ ہو گذرے ہیں جنہیں خواجگانِ چشت کہتے ہیں۔یہ سلسلہ خواجہ معین الدین چشتی کی وجہ سے ہندوستان بھر میں پھیلا اور لاکھوں عقیدت منداس خانوادہ سے آج بھی تعلق رکھتے ہیں۔

۶۔ خانوادہ عجمیان:-اس خانوادہ کو حبیبیان بھی کہتے یں۔حضرت حبیب عجمی جو حضرت حسن بصری کے مُرید تھے،اس خانوادہ کے بنیادگذار مانے جاتے ہیں۔اس سلسلہ سے تعلق رکھنے والے دن میں کچھ بھی نہیں کھاتے ہیں،روزہ رکھتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔جنگلی میوہ اور گھاس پر گذارہ کرتے ہیں۔جنگلی جانوروں سے پیار کرتے ہیں۔

۷۔ خانوادہ طیفوریان:-اس خاندان کی بنیاد شیخ مسعود،شیخ محمود،شیخ ابراہیم اور شیخ احمد نے ڈالی ہے۔جن حضرات نے حضرت بایزید بسطانی سے اپنے آپ کو منسوب کیا وہ طیفوریہ کہلائے۔یہ لوگوں سے دُور رہنا پسند کرتے ہیں،کسی جاندار کو اذیت نہیں دیتے ہیں اور دس دس دنوں کے بعد افطار کرتے ہیں۔

۸۔ خانوادہ کرخیان:-یہ خاندان حضرت معروف کرخی سے منسوب ہے۔وہ امام علی رضا

کے غلام تھے۔امام علی رضا کی زیارت مشہد ایران میں ہے اور وہ شیعہ فرقہ کے آٹھویں امام کہلاتے ہیں۔کرخیاں دنیا سے نفرت کا درس دیتے ہیں اور خوف الٰہی کے ڈر سے گریان رہتے ہیں۔یہ لوگ منکسر المزاج ہیں اور ہمیشہ قرآن مجید کی تلاوت میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں۔

۹۔ خانوادہ سقطیان:- یہ خاندان حضرت شیخ سری سقطی سے منسوب ہے وہ حضرت معروف کرخی کے مُرید تھے۔سقطیان صوم وصلواۃ کے پابند اور شب بیداری کرتے ہیں۔ اکثر اوقات اعتکاف میں گذارتے ہیں۔حلقہ بنا کر ذکر کرنا ان کا طریقہ ہے۔

۱۰۔ خانوادہ جنیدیان:- یہ خانوادہ حضرت جنید بغدادی سے منسوب ہے، توکل پسند، ریاضت اور مجاہدے کے لئے بہت مشہور ہیں۔دست سوال دراز نہیں کرتے اور اللہ جو کھلائے کھاتے ہیں۔

۱۱۔ خانوادہ گاذرونیان:- شیخ ابواسحاق گاذرونی سے نسبت رکھنے والا یہ خاندان گازرونیان کہلاتا ہے۔وہ حضرت عبداللہ بن خفیف کے مُرید تھے۔یہ لوگ اکثر اسم اعظم کا وِرد کرتے ہیں اور ایک مخصوص دُعا پڑھتے ہیں۔

۱۲۔ خانوادہ فردوسیان:- فردوس ایران کے رہنے والے شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش شیخ ابوالنجیب سہروردی کے مُرید تھے۔شیخ سہروردی نے خلافت عطا کرتے وقت کہا کہ تم مشائخ فردوس میں سے ہو لہٰذا اسوقت سے فردوسیان کہلانے لگے۔اس خانوادہ کے دوفرقے ہیں۔ایک فردوسیہ اور دوسرا کُبر ویہ کہلاتا ہے۔فردوسیان رقص وسماع پسند کرتے ہیں، کھانے میں چُوں وچرا نہیں کرتے ہیں، امیر غریب، مسلمان، ہندو، سکھ وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں رکھتے ہیں۔

۱۳۔ خانوادہ طوسیان:- شیخ علاؤ الدین طوسی سے اس خاندان کی نسبت ہے جو شیخ نجیب الدین سہروردی کے مُرید تھے۔طوسیان بھی فردوسیان کی طرح رقص وسماع پسند کرتے ہیں اور مسلم وغیر مسلم میں کوئی تمیز نہیں کرتے یں۔

۱۴۔ خانوادہ سہروردیان:- یہ خانوادہ شیخ ضیاءالدین سہروردی سے منسوب ہے اس خاندان

سے وابستہ مُریدوں کی تعداد بہت کم ہے۔

اِن خانوادوں کے علاوہ اور بھی کئی خانوادے مشہور ہیں جن میں ایک خاندان قادریہ بھی ہے جس کے بانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

> ''یہ کہنا مشکل ہے کہ سلسلوں کی کُل تعداد کتنی ہے۔ خلیق احمد نظامی نے ایکسو تہتر (173) سلسلوں کے نام دئے ہیں لیکن ان کی فہرست چنداں تسلی بخش نہیں ہے۔'' [1]

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ شیطان کے بڑے ہتھیاروں میں حسد، حرص اور غصّہ و شہوت بہت بڑے ہتھیار ہیں جن کے ذریعے وہ اِنسان کو حیوانیت پر اُتار کر اُس کے دین کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ صوفیہ ان ہی خصائلِ حیوانی کو دُور کرنے کے لئے مجاہدۂ نفس اور تزکیۂ باطن میں لگے رہتے ہیں جس کی وجہ سے شیطان اُن پر غالب نہیں آسکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تین قسموں پر پیدا فرمایا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ ان میں عقل رکھی مگر شہوت سے پاک و منزہ رکھا۔

۲۔ جانوروں کو پیدا کیا۔ اُس میں شہوت رکھی مگر عقل سے عاری کیا۔

۳۔ انسان کو پیدا کیا۔ اُن میں عقل اور شہوت دونوں ودیعت فرمائی۔

جس انسان کی عقل پر اُس کی شہوت غالب آجاتی ہے وہ جانوروں اور حیوانوں سے بدتر ہے، جس کی شہوت پر اس کی عقل غالب آجاتی ہے وہ فرشتوں سے بھی بہتر ہے۔ انسان رحیمانہ اور بہیمانہ دونوں خصلتوں کا مرکب ہے۔ تصوف کا مدعا اور مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اپنے اندر رحمانی خصائل پیدا کرے تا کہ اُسے دین اور دُنیا میں کامیابی و کامرانی نصیب ہو۔

انسان کا وجود دوؔ اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہے جو باہم متضاد بھی ہیں اور مخالف بھی۔ متضاد کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں میں باہم تضاد پایا جاتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ان میں مخالفت اور کشمکش بھی رہی ہو البتہ مخالفت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے مابین رسہ کشی یا کھینچ تان کی کیفیت ہے۔ انسان کے اندر باہم مخالف اور متضاد عناصر اس کا نفس حیوانی اور روح ملکوتی ہے

[1] مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 120

لہٰذاانسان کو دونوں عناصر کی تقویت وتغذیہ کا سامان مہیا کرانا ہے اور دوسری طرف حیوانی عنصر کی تہذیب وتزکیہ کا بندوبست کرنا ہے۔اس تہذیب وتزکیہ کا مقصد نفس کو فنا کر دینا نہیں ہے بلکہ ضبط نفس اور تہذیب وتزکیۂ نفس دونوں چیزیں مطلوب ہیں۔انسان پر جس قدر نفس حیوانی کا قبضہ ہوگا یا بہ الفاظ دیگر جس قدر نفس امارہ کا غلام ہوگا اس قدر انسان کی روح دنیاوی لذات اور شہوات نفسانی میں گرفتار رہے گا اور جس قدر نفس امارہ اور نفس حیوانی کمزور پڑے گا اُسی تناسب سے روح کو آزادی ملے گی اور نفس مطمئنہ کی منزل پر فائز ہونے کی سعادت نصیب ہوگی۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت کم ہمت پیدا کیا ہے جیسا کہ سورۂ المعارج میں ہے'' اِنّ الانسانَ خُلِقَ هَلُوعَا ''اور بہت کمزور بنایا گیا ہے جیسا کہ سورۂ النساء میں ہے'' خُلِقَ الاِنسانُ مِن عَجَل ''اتنا ہی نہیں یہ انسان تنگ دل بھی ہے کیونکہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد الٰہی ہے''وَ کَانَ الانسانَ قَتُوراً ''لہٰذا انسان کو اپنی ان خصلتوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر تذکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی بہت ضرورت ہے۔دین اور تصوف دونوں کا مقصد بھی یہی ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذکرِالٰہی،طاعت الٰہی اور اطاعتِ رسولؐ بہترین ذریعہ ہے۔ ہماری رُوح کا ذات باری تعالیٰ سے وہی رشتہ ہے جو سورج کی کرنوں کا سورج کے ساتھ ہوتا ہے۔اللہ کا نور ہمیشہ رہے گا اور باقی تمام نور بے نور ہوجائیں گے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے ''اَللّٰهُ نورالسّمٰوات وَالارض ''اُسی کی عبادت اور بندگی تصوف کا مدعاء مقصد ہے جس کے لئے انسان کو نفس امارہ پر قابو پانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اُس کے اندر رُوح،قلب اور عقل کو ودیعت فرمایا۔اِسی طرح نفس کو بھی پیدا کیا۔صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے اپنی تمام تر کوشش اسی نفس کے تزکیہ کے لئے صرف کردی تا کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب اور خوشنودی حاصل کرسکیں۔نفس کے بارے میں اراشادِالٰہی ہے:

''قَد اَفْلَحَ مَن زکاها''(جس نے نفس کا تذکیہ کیا وہ کامیاب ہوا)

''وَقد خَابَ مَن دَسَهٰا ''(جس نے نفس کو آلودہ کیا وہ محروم رہا)لہٰذا کامیابی کا حقدار وہی ہوسکتا ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے گا اور اگر ایسا نہ کیا تو قربِ الٰہی کی نعمت سے محروم

رہے گا۔ حضورؐ نے بھی نفس کے ساتھ مجاہدے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے:

''میں نے نفس سے بڑھ کر کسی چیز کا مشکل علاج نہیں کیا جس میں کبھی مجھے فائدہ اور کبھی نقصان ہوا''۔ 1

حضرت حسن بصری نفس کے بارے میں کہتے ہیں:

''نفس سرکش جانور سے بھی زیادہ لگام کا محتاج ہے۔'' 2

نفس کے معنی کے بارے میں داتا گنج بخش لکھتے ہیں:

''نفس کے لغوی معنی وجودِ شئی اور حقیقت وذات کے ہیں۔ لوگوں کی عادت اور اس کے استعمال میں اس کے معنی بہت ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف بلکہ متضاد ہیں۔'' 3

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اربابِ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ درحقیقت نفس تمام شر اور برائی کا سرچشمہ ہے جو بڑا امام اور قائد ہے لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نفس وہ شے ہے جو قالب میں بطور امانت رکھا گیا ہے جیسے روح، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب ہی کی ایک صفت ہے۔ جس طرح حیات وزندگانی اس کی صفت ہے۔ بہ ایں ہمہ اس میں سب متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اور بُرے اعمال اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔'' 4

نفس کو تمام برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے اور اس کی فریب کاریوں اور خواہشوں سے آگاہ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ احتیاط سے کام لے کر زندگی گذاری جائے۔ ہمیں غرور، خود بینی، نخوت لالچ، تکبر اور شہوات سے باز آنا چاہیئے اور اپنے اندر اوصاف حمیدہ پیدا کرنے چاہیں تاکہ ابلیس ہمارے نفس پر غالب نہ آجائے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

---

1 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 540۔ 2 ایضاً، صفحہ 540۔ 3 کشف المحجوب، صفحہ 284

4 کشف المحجوب، صفحہ 482۔

''حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے لیکن اس کے صفات ایک دوسرے سے مختلف اور متغائر ہیں یعنی قلب کو جب مکمل سکون حاصل ہوتا ہے یا وہ سکون سے بالکل پُر ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی سکون وطمانیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور جب اس سکون سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو قلب روح کے مقام پر ترقی کرتا ہے اور جب قلب روح کے مقام پر متمکن ہو جاتا ہے تو نفس قلب کے مقام کا رُخ کرتا ہے اور اس مقام پر پہنچ کر اس کو طمانیت کُلی حاصل ہو جاتی ہے اور یہی نفس نفس مطمئنہ ہے لیکن جب اس کو اس کی جبّلی خواہشوں اور فطری مرکز سے الگ کر دیا جاتا اور اُکھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ اطمینان اور سکون کے مقام کی تلاش میں سرگردان ہوتا ہے اس وقت وہ نفس لوامہ ہوتا ہے...... اب اگر یہی نفس لوامہ سکون وطمانیت کے مقام کی تلاش سے باز رہ کر اپنے اصل مقام پر لوٹ جائے تو وہ نفس امارہ ہے جو اس حالت میں آ کر برائی کا حکم دینے لگتا ہے۔'' [1]

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

''نفس کی تعریف بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ شیطان کا گنجینہ اور آرامگاہ ہے۔ شیطان کی کارگاہ اور اس کے حکومت کرنے کا مقام ہے، نفس اُس کا ہمدم اور دوست ہے۔'' [2]

نفس ہمیشہ انسان کو بُرائی کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی نفس کو قابو میں رکھنے کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ یہ آدمی کا شیطان سے بھی زیادہ بڑا دشمن ہے۔ شیطان اِسی نفس کے ذریعے ہی بندے پر قابو پانے میں کامیاب ہوتا ہے کیونکہ شیطان مختلف قسم کی خواہشات نفسانی سے انسان کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ نفس کی خواہش پر عمل کرنا ہلاک ہونے کے مترادف ہے۔ یہی نفس انسان کی تمام مصیبتوں اور بلاؤں کا سردار ہے جس سے بچنے کی بہت ضرورت ہے۔ شیطان نفس کے ذریعے انسان کو نئی نئی چیزیں دکھاتا ہے جنہیں انسان نور اور نعمتیں تصور کرتا ہے اور پلک جھپکنے میں انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی کہتے ہیں:

1. عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 615

''ایک دانا کا قول ہے جس انسان پر اس کا نفس غالب آجاتا ہے تو وہ شہوت کا قیدی ہوجاتا ہے اور بے ہودگی کا تابع بن جاتا ہے۔ اس کا دل تمام فوائد سے محروم ہوجاتا ہے۔ جس کسی نے بھی اپنے اعضاء کی زمین کو شہوات سے سیراب کیا اس نے اپنے دل میں ندامت کی کاشت کی۔'' [2]

حضورؐ نے نفس کے ساتھ جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا ہے اسی لئے صحابہؓ رسولؐ جب جہاد سے واپس آتے تو کہتے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ وہ کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ مشکل شیطان اور نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو سمجھتے تھے اسی لئے کفار کے مقابلہ میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو اکبر اور عظیم جہاد کا نام دیا۔ کفار کے ساتھ تو کبھی کبھی جہاد ہوتا تھا لیکن نفس کے ساتھ جہاد ہر لمحہ اور ہر لحظہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کفار کے ساتھ جہاد کرتے وقت دشمن سامنے ہوتا ہے اور نظر آتا ہے لیکن شیطان نظر نہیں آتا۔ ایک اور بات یہ کہ اگر کفار کے ساتھ جہاد میں نصرت اور کامیابی ملے تو مالِ غنیمت بھی مل جاتا ہے۔ اگر شہید ہوا تو جنت مل جائے گی لیکن انسان شیطان کے قتل کرنے پر قادر نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ اُسے شیطان قتل کردے یعنی سیدھے راستے سے بھٹکا دے تو انسان عذابِ الٰہی کا مستحق ہوجاتا ہے اور جہنم میں جائے گا اسی لئے حضورؐ کا فرمان بھی ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد بہترین جہاد ہے۔ امام غزالی نے اس بارے میں ایک حدیث اپنی کتاب میں یوں نقل کی ہے:

''حضورؐ نے صحابہؓ کی ایک ایسی جماعت سے جو جہاد سے آرہے تھے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آئے ہو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہؐ جہاد اکبر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نفس سے جہاد۔'' [2]

حضرت عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب رات ہوجاتی تھی تو وہ اپنے قدموں پر کوڑے مارتے اور اپنے نفس سے مخاطب ہوکر پوچھتے کہ بتاؤ آج کیا عمل کیا ہے۔ وہ اپنا محاسبہ کرتے تھے اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن سے بہت پیار کرتے تھے۔

حضرت حسنؓ کا قول ہے:

---

[2] مکاشفۃ القلوب، صفحہ 540۔

''مومن اپنے نفس کا حاکم ہوتا ہے اور اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے ان لوگوں کا قیامت میں سخت محاسبہ ہوگا جو دنیا میں اپنے نفسوں کا محاسبہ نہیں کرتے۔'' 1

رسول اللہؐ کا فرمان ہے:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اُسے اُس کے نفس کے عیوب پر بصیرت دیتے ہیں۔'' 2

خدا نے قرآن کریم میں تین نفسوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک نفسِ امارہ دوسرا نفس لوامہ اور تیسرا نفس مطمئنہ۔ کچھ صوفیائے کرام نے نفس کی قسمیں چار اور کچھ نے سات لکھیں ہیں۔ مثلاً حضرت سلطان باہو لکھتے ہیں کہ نفس چار ہیں:

''نفس امارہ، نفس مُلحمہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ'' 3

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نفس کی سات قسمیں بتاتے ہیں:

''نفس امارہ، ۲ نفس لوامہ، ۳ نفس مُلحمہ، ۴ نفس مطمئنہ، ۵ نفس راضیہ، ۶ نفس مرضیہ، نفس کاملہ۔'' 4

نفس کی تمام اقسام کی الگ الگ خاصیتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ نفس امارہ:- یہ پہلا نفس ہے اور یہی نفس امارہ انسان کو زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے اور دنیا کی طرف راغب بھی کرتا ہے۔ لذات شہوات، فاحشات، برائی اور بدکاریوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس نفس امارہ کے متعلق سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اُس کا مطلب یہ ہے ''بے شک نفس یقیناً بُرائی کا بڑی شدت سے حکم دینے والا ہے'' حضورؐ کا بھی ارشاد ہے کہ شیطان تمہارے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ اِسی نفس امارہ کی وجہ سے ہی شیطان انسان پر زور ہو جاتا ہے اور تمام بُرے کام کرواتا ہے اور صراطِ مستقیم سے دُور کر دیتا ہے۔ یہی نفس امارہ انسان سے ایسے کام کرواتا ہے جن سے حیوان بھی شرماتے ہیں یہ نفس امارہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ڈاکٹر

1 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 562۔ 2 المرشد الامین امام غزالی، صفحہ 159۔ 3 محک الفقراء کلان، صفحہ 38

محمد طاہر القادری اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نفس امارہ کی صفات میں بُخل، کنجوسی، حرص، لالچ، بدی، شہوات پرستی، بے وقوفی، بغض، کینہ، حسد و عناد، جہالت و غفلت، سستی و کاہلی، غصہ، غیض و غضب، غیبت، چغلی اور عیب جوئی وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صفت کا پایا جانا نفس امارہ پر دلالت ہے۔'' 1

امام غزالی نفس امارہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ کسی حالت میں بھلائی کا حکم نہیں دیتا اور برائی پر ملامت نہیں کرتا۔ یہ نفس کا سب سے پست ترین درجہ ہے۔'' 2

تمام صوفیائے کرام اِسی نفس امارہ کے تزکیہ پر زور دیتے ہیں تا کہ انسان میں روحانی کمالات اور اخلاقی بلندی کے اوصاف پیدا ہو جائیں اور ساتھ ساتھ ارادوں میں عزم اور بُلند نظری پیدا ہو۔ جب نفس امارہ پر انسان کا کنٹرول ہوگا اور خواہشات نفسانی پر اختیار ہو اور انسان خواہشات نفسانی کا غلام نہ ہو تو انسان اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ و پیراستہ اور اخلاق فاسدہ و رذیلہ سے پاک وصاف ہو کر اہل اسلام اور اہل عالم کے لئے سراپا محبت و غمگساری بن جاتا ہے اور خلقِ خدا کی خدمت اس کا شعار اور وظیفۂ حیات ہو جاتی ہے نیز انسان میں روحانی، اخلاقی فکری اور نظری کمالات پیدا ہو سکتے ہیں۔

۲۔ نفس لوامہ:- نفس لوامہ از روئے قرآن دوسرے درجہ پر آتا ہے۔ یہ نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کے درمیان والی نفس ہے۔ صوفی حضرات کا خیال ہے کہ یہ مقام اُس وقت میسر آتا ہے جب انسان نفسِ امارہ کو مجاہدہ اور تزکیہ سے قابو میں کر لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد انسان کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو باطنی طور پر ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ یہ نفس انسان کو شہوت پرستی، گناہ، غصّہ، حسد، بغض و کینہ وغیرہ سے روکتا اور ٹوکتا ہے اور انسان کے دل میں اگر گناہ کا خیال آتا ہے تو یہ ملامت کرتا ہے اِسی لئے اس نفس کو لوامہ یعنی ملامت کرنے والا کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کو نیک و بد، اچھائی اور برائی، کھرے اور کھوٹے میں تمیز سکھاتا ہے۔

---

1 سلوک وتصوف کا عملی دستور، صفحہ 119۔ 2 المرشد الامین، صفحہ 145

قرآن مجید کی ''سورہ القیامہ'' کی آیت شریفہ میں اس نفس کا ذکر آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

''میں قیامت کے دن کی قسم اور نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں'' جس نفس کی قسم خود اللہ تعالیٰ کھائے وہ واقعی مفید اور پسندیدہ نفس ہوگی جس کو حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس بارے میں امام غزالی لکھتے ہے:

> ''لوامہ ان دونوں (امارّہ اور مطمئنہ) کے درمیان ہے۔ وہ بُرائی کو پسند نہیں کرتا، اُس کی طرف مائل ہوتا ہے نہ مطمئن رہ سکتا ہے کہ بھلائی یعنی ذکر الٰہی سے مطمئن ہوجائے۔'' [1]

اس مقام پر فائز ہونے سے انسان میں حلیمی اور صبر کی صفات پیدا ہوجاتی ہیں اور قضاء قدر پر راضی رہنے کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اوصافِ حمیدہ ہیں جن کی تعریف خود رسول اللہؐ نے فرمائی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے شیخ عبدالقیس سے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ایک حلم دوسری صبر۔'' [2]

نفس لوامہ ہمیشہ سکون و اطمینان کی تلاش میں رہتا ہے حلال رزق کی رغبت اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کے صفات کے بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

> ''نفس لوامہ کی صفات میں حلال کی رغبت، لوگوں کے لئے نفع بخشی، دوسروں کا بوجھ اُٹھانا، لغویات سے گریز اور پسندیدہ اخلاق شامل ہیں۔'' [3]

شیخ شہاب الدین سہروردی کے مطابق جب نفس کو اُس کی جبلی خواہشوں سے اور فطری مرکز سے الگ کردیا جاتا ہے تو وہ بقول اُن کے:

> ''وہ اطمینان و سکون کے مقام کی تلاش میں سرگردان ہوتا ہے تو اُس وقت وہ نفس لوامہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت اس سرگردانی کی حالت میں ملامت کرتا ہے کہ مقام سکون سے باخبر ہوتے ہوئے اور اس کے مشاہدے کے باوجود وہ

---

[1] المرشد الامین، صفحہ 145۔ [2] عوارف المعارف (اُردو) صفحہ 422۔ [3] سلوک و تصوف کا عملی دستور، صفحہ 126

سرگردان ہے۔'' [1]

۳۔ نفس ملہمہ :- نیکی اور فرمانبرداری واطاعت کے خیالات انسان کے دل میں یہی نفس ملہمہ ڈالتا ہے اسی لئے اس کو ملہمہ یعنی الہام ڈالنے والا نفس کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے بھی دل میں نیکی اور تقویٰ کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

''اگر انسان نیکی ترک کرتا ہے تو اس نفس پر فائز ہونے کے بعد اس میں غم اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نفس ملہمہ کی نمایاں صفات میں سے قناعت، سخاوت، علم، حلم، تواضع وانکساری، توبہ، صبر، تحمل، برداشت اور خلوص ہیں۔'' [2]

۴۔ نفس مطمئنہ :- یہ نفس سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔ یہ تمام بُرے خصائل اور بدی سے صاف و پاک ہوتا ہے۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہوتا ہے اور اطمینان کی حالت میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُسے نفس مطمئنہ یعنی اطمینان والی نفس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں نہ کوئی بُرائی، کثافت، بدی، بغض، حسد، کینہ، جہالت، نخوت، بخیلی، بداخلاقی غرضیکہ کوئی بُری خصلت نہیں ہوتی ہے۔ اسی نفس مطمئنہ کی وجہ سے ہی انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''جب یہ ذکر الٰہی سے پاک، صاف ہوجاتا ہے اور شہوات وصفات مذمومہ مِٹ جاتے ہیں تو اُسے نفس مطمئنہ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یہی مطلب ہے۔ ''یا ایھاالنفس المطمئنہ یعنی اے نفس مطمئنہ۔'' [3]

سورۂ الفجر میں بھی اللہ تعالیٰ اس نفس مطمئنہ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں ''اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ'' یہ نفس خدا کے خاص الخاص بندوں، ولیوں اور پاکیزہ ترین مومنین کا نفس ہے اور اِس کو ولایتِ صُغریٰ بھی کہتے ہیں۔ صوفیاء کا خیال ہے کہ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد صوفی کو فنافی الرسول کا مقام نصیب ہوتا ہے اور اُس کے دل سے تمام بہیمی خصائل دور کئے جاتے ہیں۔ ذکر سے انسان کو سکون اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب سے انسان کے درجات بلند ہوجاتے ہیں۔ دل اطاعت رسولؐ اور اطاعتِ الٰہی میں

[1] عوارف المعارف (اردو) صفحہ 615۔ [2] سلوک وتصوف کا عملی دستور، صفحہ 129۔ [3] المرشد الامین، صفحہ 145

لگ جاتا ہے اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

''جب قلب کو مکمل سکون حاصل ہوتا ہے یا وہ سکون سے بالکل پرُ ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی سکون وطمانیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور جب اس سکون سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو قلب روح کے مقام پر ترقی کرتا ہے اور جب قلب روح کے مقام پر متمکن ہو جاتا ہے تو نفس قلب کے مقام کا رُخ کرتا ہے اور اس مقام پر پہنچ کر اس کو طمانیتِ کُلی حاصل ہو جاتی ہے اور یہی نفس، نفس مطمئنہ ہے۔'' 1

جب یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو انسان کے اندر دیگر اوصافِ حمیدہ کے علاوہ جذبۂ عفو درگذر بھی پیدا ہوتا ہے اس سلسلے میں اس کے ثبوت میں مولانا محفوظ الحسن سنبھلی ایک واقعہ بہ عنوان ''نفس کی خاطر کسی کو سزا دینا درست نہیں'' لکھتے ہیں:

''عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شرابی کو سزا دینے کے لئے پکڑا، وہ گالی بکنے لگا۔ فوراً چھوڑ دیا۔ کسی نے عرض کیا اس کے گالی بکنے کی وجہ سے آپ نے اس کو چھوڑ دیا؟ فرمایا اس کے گالی دینے سے مجھے غصّہ آ گیا۔ اگر اس حالت میں سزا دیتا تو یہ نفس کی خاطر ہوتی۔ میں کسی مسلمان کو اپنے نفس کی خاطر سزا دینا پسند نہیں کرتا۔'' 2

نفس مطمئنہ کے صفات کے بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

''اس کی صفات میں عفو، درگذر، بخشش وعطا، توکل، حلم و برُدباری، عبادت گذاری، شکر اور رضا خاص طور پر نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔'' 3

۵۔ نفس راضیہ:- صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ یہ وہ نفس ہے جس میں خدا کے تمام فیصلوں پر اور اُس کے احکام پر راضی ہونے کا مِلکہ پیدا ہو جاتا ہے اور صوفی اس مقام پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا مقام حاصل کرتا ہے اسی لئے اس کو نفس راضیہ کہتے ہیں، راضیہ، مرضیہ، صافیہ اور

---

1 عوارف المعارف (اردو) صفحہ 615۔ 2 روضۃ الصالحین، جلد اوّل، صفحہ 113۔

3 سلوک وتصوف کا عملی دستور، صفحہ 138۔

کاملہ سب نفس مطمئنہ کی اعلیٰ حالتیں ہیں۔اس نفس کے بارے میں ڈاکٹر طاہرالقادری لکھتے ہیں:

''اس نفس کا ذکر نفس مطمئنہ کے ساتھ سورۂ الفجر میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ''اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو' اس کی صفات میں نمایاں صفتیں ذکر وفکر، زہدورع، ریاضت ومجاہدہ، تقویٰ و پرہیز گاری، عشق الٰہی، ترکِ ماسوااللہ، وفا اور کرامات ہیں۔'' 1

۶۔ نفس مرضیہ:- اس نفس کو نفس کا مکمل اور کامل درجہ سمجھا جاتا ہے۔انسان میں جب اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی رہنے کی عادت استوار ہوجاتی ہے اور اُس کی رضاوتسلیم میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوتی تو صوفی کو استقامت کی وجہ سے ''مرضیہ'' کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ صوفی اور عارف سے راضی ہے۔اس کی صفات یوُں ہیں:

''اس کی صفات میں سے نرمی، لطف وکرم، جملہ اخلاقِ حسنہ، قرب الٰہی اور قناعت محمدیؐ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔'' 2

۷۔ نفس کاملہ:- اس نفس کو نفس صافیہ بھی کہتے ہیں۔اس مقام پر صوفی اور عارف ہر لحاظ سے مکمل ہوجاتا ہے۔یہ نفس کی آخری اور کامل صورت ہے اس مقام پر فائز ہونے کے بعد جنت کی بشارت دی جاتی ہے اور صوفی اور عارف اور مومن فلاح، کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوجاتا ہے یہی اُس کا نصب العین بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے جنت کا حقدار بن جائے۔ڈاکٹر طاہرالقادری اسکی صفات یوں بیان کرتے ہیں:

''اس نفس کی صفات میں سے گوشہ نشینی (خلوت وعزلت) عبادت، مفارقت، خاموشی، سچائی، مددگاری، ایفائے عہد، طاعت وفرمابرداری، حق اور نسبتِ عبدیت اور نسبتِ محمدیت دونوں میں کمال کا درجہ پایا جاتا ہے۔'' 3

یہ درجہ ایک صوفی اور عارف کو صرف قرآن وسنت کی پابندی اور اطاعت رسولؐ سے ہی حاصل ہوجاتا ہے اور اسی اطاعتِ رسولؐ کی مہربانی سے انسان اپنے نفس پر قابو پاسکتا ہے۔اس بارے میں شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

1 سلوک وتصوف کا عملی دستور، صفحہ 143۔ 2 ایضاً، صفحہ 145۔ 3 ایضاً، صفحہ 155۔

''اس میں شک نہیں کہ تیرا نفس اللہ تعالیٰ کی مخلوق وملک ہے لیکن دنیا کی شہوات ولذات اور اسبابِ غرور وتکبر اسے راہِ راست سے برگشتہ کئے ہوئے ہیں کیونکہ یہ چیزیں انسان کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں۔ پس اگر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے نفس کی مخالفت اختیار کرے گا تو تیری جانب سے یہ جہاد ہوگا اور فلاح وبہبود کا ذریعہ جہادِ نفس کے بعد اللہ تعالیٰ سے تیری دوستی اور عبودیت پایۂ ثبوت کو پہنچے گی۔'' [1]

ذکرالٰہی سے نفس کی کدورتیں دُور ہوجاتی ہیں اور روح بیدار ہوجاتی ہے اور اس کا سویا ہوا شعور متحرک ہوجاتا ہے اور ایمان راسخ ہوجاتا ہے اور جب ایمان میں شدت اور گہرائی پیدا ہوتی ہے تو سالک محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم یہ استحضار حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ ''احسان'' کی منزل ہے جس کے بارے میں حدیث نبویؐ گواہی دیتی ہے۔ سالک یا صوفی کا اصل کام روح کو تقویت پہنچانا ہے اور اس کا ذریعہ اخلاص کے ساتھ ذکرالٰہی ہے جس کا حاصل ایمان ہے۔ قرآن اپنے آپ کو ''الذکر'' کہتا ہے یعنی قرآن کی تلاوت کرنا اور اس پر عمل کرنا ذکر ہے جس میں نماز بھی شامل ہے۔ تمام صوفیائے کرام ہمیں تزکیۂ نفس ایمان اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں۔ ذکر کا اہم اور اصل کام روح کو ایمان واحسان کی حرارت بہم پہنچانا ہے اور یہ حرارت قرآن مجید، نماز اور اذکار مسنونہ سے آتی ہے۔ اس بارے میں صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث بھی درج ہے جس کا ترجمہ یوں ہے:

''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ لوگوں کے بیچ میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک شخص پاؤں سے چلتا ہوا آیا (حضرت جبریلؑ) اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ ایمان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کے فرشتوں اس کے پیغمبروں، قیامت کے دن اس سے ملنے پر یقین کرے۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے کو مانے۔ پھر کہنے لگا اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ ہی کی عبادت کرنے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے

---

[1] فتوح الغیب، صفحہ 35

اور فرض نماز پڑھتا رہے اور زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے۔ وہ کہنے لگا احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا ہی سمجھ لے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ اچھا بتائے کہ قیامت کب آئے گی۔ آپؐ نے فرمایا جس سے تو پوچھتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا البتہ میں تجھ سے قیامت کی نشانیاں بیان کرسکتا ہوں۔ ایک نشانی یہ ہے کہ عورت اپنے مالک کو جنے اور ایک نشانی یہ ہے کہ ننگے پاؤں پھرنے والوں (وحشی گنواروں) کو سرداری وحکومت ملے۔ پھر وہ شخص لوٹ کر چل دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ذرا اس کو بلا تو لے آؤ۔ لوگ بلانے گئے دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اُس وقت حضورؐ نے فرمایا یہ جبریل تھے دین کی باتیں لوگوں کو سکھانے آئے تھے۔'' 1

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جان لے کہ دین اور اُس کے کمال کی بنیاد فقہ، کلام اور تصوف پر ہے اس حدیث نے ان تینوں مقاموں کا بیان کر دیا۔ اسلام سے اشارہ فقہ کی طرف، ایمان کا اشارہ اعتقادات کی طرف اور احسان کا اشارہ اصل تصوف کی طرف ہے جس سے مراد خدا کی طرف صدقِ توجہ ہے۔'' 2

صوفیائے کرام بھی ہمیں ایمان، احسان اور اخلاص کی تعلیم دیتے ہیں اور روح کی تقویت کا سامان پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں جس کا ذریعہ صرف ذکر ہے۔ امام ابن تیمیہ صوفی کی عظمت کا معیار مقرر کرتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہی اس کی عظمت پنہاں ہے۔ جتنا زیادہ وہ خدا کی عبادت اور اطاعت کرے گا اتنا ہی وہ کامل اور عظیم ہوتا چلا جائے گا۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ وہ خدا کی عبادت واطاعت سے بے نیاز

1 حدیث، صفحہ 1883، جلد دوم، صفحہ 984۔ 2 تذکرہ مشائخ نقشبندیہ تاریخ نقشبندیہ، صفحہ 480۔2

ہوسکتا ہے یا عبودیت کے حدود سے آگے جاسکتا ہے تو جاہل اور گمراہ ہے۔‘‘ 1

بابا نصیب الدین غازی جو وادیٔ کشمیر کے ایک مشہور و معروف ریشی (صوفی) مانے جاتے ہیں ’’نور نامہ‘‘ میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

’’ایک خدا دوست درویش (صوفی) وہ راستہ چنتا ہے جس میں وہ اپنی عاقبت اور آخرت سنوارنے کی کوشش کو دنیا کی آسائش ڈھونڈنے کی ہر کوشش پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ میٹھی اور مُرغن غذا کے نوالے نگلنے کا سلسلہ چھوڑ کر ہر قسم کی پیٹ پوجا سے بچتا ہے۔ وہ شاہی ملبوسات اور قیمتی کپڑے پہننے کے درپے نہیں رہتا بلکہ ضروری آرائش سے اپنے آپ کو دُور رکھ کر سچّے دل سے باری تعالیٰ کی عبادت کرتا رہتا ہے بلکہ وہ پرُانے اور بے قیمت ملبوسات کو صاف ڈھنگ سے پہن کر مسرت محسوس کرتا ہے۔ گویا سچّے درویش روکھی سوکھی روٹی کھا کر تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لئے واجبی محنت کرتے ہیں۔ وہ دنیا کو پہلے سے ہی فانی اور بے بقا سمجھتے ہیں اور آخرت کو ہمیشہ پابند، رہنے والی زندگی جان کر اُسی کو بہتر بنانے کی کاوشوں کے بحرِ بیکراں میں غرق ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ دراصل وہ اپنی زندگی کا ہر لحظہ اور ہر لمحہ قدرت کے آیات میں اسرارِ الٰہی اور انوارِ معرفت کا جلوہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔‘‘ 2

کشمیر میں طریقت اور تصوف کی صورت کچھ اور ہے۔ یہاں جو تصوف دیکھنے میں آتا ہے اُسے ’’ریشیت‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسلام کو یہاں کے لوگوں نے جس حالت میں زیادہ قبول کیا وہ تصوف کی وہ قسم ہے جسے ریشیت کہا جاتا ہے۔ یہ تصوف کا وہ سلسلہ ہے جو یہاں کے ریشی اپناتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کشمیری ادب کی تاریخ میں اوتار کرشن رہبر یوں رقمطراز ہیں:

’’ریشیت سنسکرت لفظ رشی سے ماخوذ ہے۔ یہ کوئی الگ فلسفہ یا گیان نہیں ہے بلکہ یہ اتحاد و اتفاق کا وہ شجر ہے جس کی جڑیں شیوازم، صوفی ازم، اسلامی فلسفہ

---

1 مجدد دین امت اور تصوف، از پروفیسر محمد عبدالحق انصاری، صفحہ 34۔ 2 نور نامہ مترجم پروفیسر مرغوب بانہالی، صفحہ 54۔

اوران تمام فلسفوں میں پیوست ہیں جو یہاں فروغ پائی تھیں۔ یہ بھگتی کی وہ لہر
ہے جو اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی گئی۔'' 1

یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کشمیر کے لوگ پہلے سے ہی بدھ مت، شیومت اور وِشومت کے فلسفوں سے متاثر تھے اور یہ سرزمین طریقت کے لئے ہموار تھی کیونکہ ان دھرموں نے یہاں کے ریشیوں کو ترکِ دنیا، ترکِ لذات اور فاقہ کشی کا عادی بنا کر رہبانی اور خانقاہی طرز زندگی کی تعلیم دی تھی۔ ریشی حضرات غاروں، گھپاؤں اور جنگلوں میں اکیلے اور تنہا بیٹھ کر تمام مزے دار اور خوش ذائقہ چیزوں، نفسانی خواہشوں اور جسمانی شہوتوں سے پرہیز کر کے جنگلی ساگ اور کڑوے میوے کھا کر تپسیا میں مشغول رہتے تھے جس سے ان میں روحانی طاقت پیدا ہوتی تھی۔ یہ سب باتیں حسن کھویہامی کی کتاب تذکرۃ اولیا، میں درج ہیں۔ کشمیر میں اسلام آنے کے بعد یہی ریشی مسلمان ہوگئے اور اسلامی طریقت کو اپنا کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سیار محمد سعید شاہ قادری یوں لکھتے ہیں:

''جب اسلام کی دعوت ان حق شناسوں تک پہنچی تو انہوں نے اس کو خوش آمدید کر کے قبول کیا اور کچھ ان میں پھر تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگے اور تپسیا میں مشغول ہوگئے۔ کشمیر میں اسلام براہِ راست عربوں سے نہیں بلکہ وسط ایشاء سے آئے ہوئے صوفیوں کے ذریعہ پہنچا لہٰذا ان لوگوں نے یہاں صوفی ازم کے طور طریقوں کو ریاضت اور عبادت کے طور طریقوں میں شامل کیا اس طرح جن ریشیوں اور منیوں نے جب اسلام قبول کیا تو اس باہمی میل ملاپ اور مذہبوں کے سنگھم سے ایک اور دبستان وجود میں آیا جو ریشیت کے نام سے مشہور ہوا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے نام تبدیل کئے اور اپنی عبادات میں تبدیلی لا کر اسلامی طور طریقے اپنائے اور اسلامی طرز پر عبادت کرنی شروع کی لیکن عوام میں پھر بھی یہ اپنے ہی ناموں یا ریشی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ریشیت کے اسی سلسلے نے آگے جا کر ایک تحریک کی صورت اختیار کی جس کے

---

1 بحوالہ کشمیر میں تصوف ریشیت کے تناظر میں، صفحہ 24

سرخیل شیخ العالم نورالدین (نندریشی) تھے۔اس طرح اس سنگھم سے دو چیزیں معرضِ وجود میں آئیں ہیں۔ وہ ہیں تمدن اور تصوف۔ کشمیری تہذیب وتمدن ایک الگ کلچر ہے اور پھر جس تصوف کا اضافہ ہوا وہ ریشی تصوف ہے۔'' [1]

ریشی کے لغوی معنی پاک دعائیہ نعت یا نظم گانے والے کے ہیں زمانہ وسطیٰ میں ریشی ایسے شخص کو کہتے تھے جو پرہیز گار، متقی، تارک الدنیاء علم لدُنی سے آگاہ، خدا پرست اور کشف وکرامات میں کامل ہو۔

[1] کشمیر میں تصوف ریشیت کے تناظر میں، صفحہ 20

بیعت

بیعت کے لغوی معنی ہیں ہاتھ میں ہاتھ دینا۔ عہد و پیماں، وفاداری، مریدی اختیار کرنا۔ مولانا تطہیر احمد بریلوی بیعت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''بیعت کے معنی بکنا ہیں یعنی کسی واصل راہِ خدا کو اپنے ظاہری و باطنی امور کا مالک ومختار بنا دینا اور خود کو اس کے ہاتھ میں دے کر بے دست و پا ہو جانا اور اس کی مرضی پر چلنا۔ عام زبان میں مرید ہونا، داخلِ سلسلہ ہونا، ہاتھ میں ہاتھ دینا وغیرہ الفاظ بیعت کے معنی میں بولے جاتے ہیں''۔ [1]

تصوف میں مرید کو تابع اور مرشد کو متبوع کہتے ہیں۔ طریقت کی اصطلاح میں مرشد کو ساقی اور دل کو جام بھی کہتے ہیں۔ حافظ شیرازی اپنے مرشد سے جامِ معرفت پلانے کی عاجزی یوں کرتا ہے ؎

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سرکن غمِ ایام را
ساغرِ می برکفم نہ تا زِ بر
برکشم این دلقِ ازرق فام را

جب انسان کو راہِ سلوک میں آنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو مرشد کامل کی تلاش کرنا ضروری بن جاتا ہے، جس کے فیض و برکات اور رہنمائی و رہبری سے منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔

---

[1] تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، صفحہ 55۔

مولانا رومی کہتے ہیں کہ مرشد کامل ایسا رہبر ہے جو راہِ طریقت سے واقف اور آگاہ ہوتا ہے اور اس راستے کے تمام اسرار اور بھیدوں کو جاننے والا ہوتا ہے اسی مرشد کامل کی وجہ سے ہی جسم اور روح کے باغوں کی نہروں کو صاف کیا جا سکتا ہے ؎

ہست پیرِ راہ دانِ پُر فطن
باغ ہائے نفس و تن را جوئے کن [1]

طریقت کے راستے پر چلنے کے لئے سب سے پہلے مرید کو ارادہ کرنا پڑتا ہے اپنی عادات کو بدلنا پڑتا ہے جس کو طریقت کی زبان میں ارادت کہتے ہیں ارادت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طلب میں مضبوطی سے دل لگانا۔ اس مرتبہ پر مبتدی کو خدا کے سوا تمام چیزوں کو ترک کرنا پڑتا ہے اور جب انسان دنیاوی لذات سے دل ہٹا لیتا ہے اس وقت اس کی ''ارادت'' خالص ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کرنے سے پہلے ارادہ کرنا ضروری ہے پھر قصد اور عمل کرنا پڑتا ہے۔ امام غزالی نے اس بارے میں اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے۔

''اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے، اپنے اندر سے صفاتِ مذمومہ ختم کرے، ان سے مکمل طور سے تعلقات توڑ ڈالے پھر پوری طرح اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔'' [2]

مُرشد کے لغوی معنی ہیں ہدایت کرنے والا، سیدھی راہ بتانے والا رہنما، ہادی، پیر، مرشد وہ شخص ہوتا ہے جس نے اتباعِ شریعت اور احوالِ طریقت میں کمال حاصل کیا ہو۔ طریقت میں مرشد کو کئی اور ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے مثلاً شیخ کامل، ولی اللہ، عارف باللہ وغیرہ۔ مرشد، پیر طریقت اور عارف باللہ مرید کو مجاہدہ سکھاتا ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں سورۂ عنکبوت میں بھی فرمانِ الٰہی ہے۔

---

1 مثنوی مولانا روم دفتر اوّل، مترجم قاضی سجاد حسین، صفحہ 335

2 فارسی کے اہم شعراء بہار کے تناظر میں، صفحہ 19، از ڈاکٹر سطوت بانو

''جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ہم اُنہیں اپنی طرف کے راستے دکھائیں گے''

شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ مُرید کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ایسا شخص ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنے والا ہوگا۔ اطاعت کرنے والا بھی وہی ہے جو اللہ کے سِوا سب سے مُنہ پھیر لے، اللہ تعالیٰ کی اجابت سُننے والا ہو ایسا کرنے کے خواہشمند کے لئے لازم ہے کہ قرآن حکیم کے احکام پر عمل کرے، سنّت پر قائم رہے اور اُس کے سوا کسی اور بات کو نہ سنے۔'' 1

کوئی بھی انسان اگرچہ تمام علوم کو جمع کرے اور مختلف طبقات کے لوگوں کی صحبت میں رہے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے درجے اور رُتبے کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک نہ کسی شیخ کامل اور مرشد کی تربیت میں رہ کر مجاہدہ نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ خدا رسیدگی کے لئے صرف علم کافی نہیں بلکہ مُرشد کا دامن تھامنا بھی ضروری ہے۔ صحبت مُرشد کامل طریقت اور سلوک میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اور اس سے بے شمار فائدے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اصل روحانی زندگی کا آغاز مُرشد کی صحبت سے ہی شروع ہوتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر کوئی راہ سلوک میں بغیر مُرشد چلنا چاہے تو اُس کا فلاح پانا ہرگز ممکن نہیں بلکہ ایسے شخص کو نفس کا پرستار کہا جائے گا اور ایسے شخص کو شیطان کی آواز ہمیشہ پریشان کرتی رہے گی۔ اسی لئے مولانا رومؒ نے کہا ہے ؎

گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول
بس تُرا سرگشتہ دارد بانگِ غول 2

مُرشد ایک طبیب اور حکیم کی حیثیت رکھتا ہے اور جو مریض طبیب کے کہنے پر عمل نہ کرے اس کو شفاء حاصل نہ ہوگی اسی طرح راہ سلوک میں مُرشد کامل کی ضرورت پڑتی ہے جو مُرید کے امراضِ باطن کا علاج تزکیہ اور تصفیہ سے کرتا ہے، تزکیۂ نفس اور تزکیۂ باطن صرف تجربہ کار مُرشد سے ہی ہوسکتا ہے لہٰذا مُرشد اور پیر ڈھونڈنا مُرید کے لئے لازم اور ضروری ہے۔ بقول مولوی رومؒ ؎

پیر را بگزین کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت وخوف وخطر 3

---

1 غُنیۃ الطالبین مترجم امان اللہ خان ارمان سرحدی، صفحہ 626۔ 2 مثنوی مولانا رومؒ، صفحہ 309۔ 3 ایضاً ص 308

طریقت کا راستہ چونکہ پُر از خوف وخطر ہوتا ہے اس لئے پیر حاصل کرنا بہت ضروری ہے اس راہ سلوک کے راستے پر قدم رکھتے ہی سالک کو کئی محاذ پر لڑنا پڑتا ہے۔ ایک طرف دنیا کی چمک دمک، لہولعب، دوسری طرف نفسانی خواہشات، ملامتوں کے تیر، شیطان کا وسوسہ غرضیکہ بہت دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے جن کا مقابلہ بغیر مرشد کے ممکن نہیں۔ حضرت بایزید بسطامی کا قول ہے کہ جس کا کوئی استاد نہیں شیطان اس کا امام ہے۔ حضرت ابوالقاسم قشیری اپنے استاد شیخ ابوعلی وفاق کا قول درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُس درخت میں جو خودرو ہوتا ہے اور جس کو باغبان نہیں لگاتا اس میں پتّے تو نکل آتے ہیں لیکن اس میں پھل نہیں آتا اور وہ ایسا درخت ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے اس میں پھل بھی آجائیں جس طرح پہاڑی جنگلی درختوں میں پھل آجاتا ہے لیکن اس کا ذائقہ اس پھل کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ باغات کے پھلوں کا ہوتا ہے۔'' [1]

ظاہر بات ہے کہ جو درخت باغ میں لگایا جاتا ہے، اُس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے کھاد دی جاتی ہے۔ شاخ تراشی کی جاتی ہے، وقت وقت پر پانی دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خوب پھل آتے ہیں۔ اِسی طرح جب ایک مُرید مرشد کامل کی رہنمائی میں راہ سلوک طے کرنے کے لئے اس کے تابع ہوجاتا ہے اور اُس کی صحبت میں رہتا اور اُسے اپنا رہبر اور رہنما سمجھتا ہے اور اُس سے ادب سیکھتا ہے تو مُرشد کی روحانی اور باطنی طاقت مُرید کے باطن میں اس طرح سرایت کرجاتی ہے جیسے ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن ہوجاتا ہے، مُرشد اپنے مُرید کے باطن کو روشن کرتا ہے اور اُس کے کلام سے مرید کا دل مخمور ہوجاتا ہے۔ مولانا رومی کا خیال ہے کہ کوئی اپنے آپ کچھ نہیں بن پاتا کیونکہ لوہا جب تک لوہار کے ہاتھ میں نہ آئے تب تک اُس سے خود بخود ہی خنجر اور تیر نہیں بن پاتے اور مولوی روم بھی تب تک مولانا روم نہیں بنے جب تک شمس تبریزی کی غلامی اور مریدی اختیار نہ کی ؎

ہیچ کس از نزد خود چیزی نہ شد ہیچ آہن خنجری تیری نہ شد

---

[1] عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 37-236۔

مولوی نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

مُرشد حاصل کرنے میں بڑی احتیاط درکار ہے کیونکہ مُرشد کامل کی شناخت آسان نہیں۔مُرشد متقی، پرہیز گار، سنت کا پابند، بدعت سے بچنے والا اور شرک سے پاک ہونا چاہے، اس کے اخلاق عمدہ اور صوم وصلوٰۃ کا پابند ہواُس کے دیکھنے اور اُس کی صحبت میں رہنے سے خدا یاد آنا چاہیئے، وہ خواطر نفسانی، شیطانی، ملکوتی اور رُبانی سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔ ورنہ اگر مرشد ناقص کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ مرید کو مکر وفریب میں مُبتلا کر دے گا۔

بقول مولانا رومؒ ؎

دستِ ناقص دستِ شیطان است ودیو
زانکہ اندر دامِ تلبیس است وریو [1]

مُریدمرشد اور شیخ کے ہاتھ میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسے مُردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔مُرید کو مرشد کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے تب جا کے اُسے طریقت میں کوئی مقام حاصل ہوتا ہے۔مولانا رومی اسی لئے کہتے ہیں ؎

چون گرفتی پیرہین تسلیم شو
ہم چو موسیٰ زیر حکم خضرؑ رو

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی مرید کو شیر خوار بچہ سمجھتا ہے اور صحبت مرشد کے دو مراتب سمجھتا ہے۔اس بارے میں لکھتے ہیں:

''مریدین کی صحبت شیخ کے ساتھ دو مراتب و مدارج میں تقسیم ہے۔ پہلا مرتبہ شیر خوارگی کے مانند ہے اور دوسرا مرتبہ ترکِ شیر خوارگی ہے۔مرتبۂ شیر خوارگی کے دورِ اوّلین یعنی ولادتِ معنوی وہ زمانہ ہے جبکہ مرید شیخ کی صحبت میں ہمہ وقت حاضر رہتا ہے۔شیخ کو اس شیر خوارگی کا علم ہوتا ہے پس مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس سے جدا نہ ہو۔'' [2]

---

[1] مثنوی مولائے روم، صفحہ 184۔ [2] عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 240۔

اس مرحلے کے بعد مُرشد کو جب یقین ہوتا ہے کہ مرید نے تمام اسرارِ راہِ سلوک حاصل کئے ہیں اور وہ اس راستے پر چلنا اچھی طرح سمجھ چکا ہے تو اُسے وہ آزاد چھوڑتا ہے تا کہ اللہ کے راستے میں محنت کر کے وہ مقام حاصل کرے جس کی مُرید کو تمنا اور آرزو ہوتی ہے۔ اس بارے میں سہروردی صاحب یوں لکھتے ہیں:

''پس شیخ مرید کو خود سے جدا ہونے کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب وہ جان لیتا ہے اور اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ اب اُس کی شیر خوارگی چھڑانے کا زمانہ آ گیا ہے اور شیخ اندازہ کر لیتا ہے کہ اب اس مرید کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو گیا ہے۔'' 1

مرید اس مقام پر مرشد کی کامل اطاعت کرتا ہے اور طریقت کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے، مُرشد کی رہنمائی میں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتا ہے اور خاموشی سے مُرشد کے احکامات کی تعمیل کرتا ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں ؎

چُون گزیدی پیر نازک دل مباش
سُست و ریزندہ چُون آب و گلِ مباش

پیر کی صحبت مرید کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں کہ وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں کسی کامل اور خدا رسیدہ بزرگ کی صحبت حاصل ہو جائے۔ ایسے لوگوں کی صحبت کیمیا ہے اور خوش قسمت لوگوں کو ہی ایسی صحبت حاصل ہوتی ہے ؎

ہم نشینیٔ مُقبلان چُون کیمیا ست
چون نظرِ شان کیمائے خود کجاست 2

ایک روز جگہ مولانا رومی کہتے ہیں کہ اے راہِ سلوک کے سالک پیر اختیار کرو کیونکہ بے پیر اور بغیر مرشد سلوک اور طریقت کا راستہ طے کرنا مشکل ہے کیونکہ پیر کا سایۂ اگر آپ کے ساتھ نہ ہوگا تو شیطان گمراہ کر دے گا ؎

گر بناشد سایۂ پیرا اے فضول
بس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول 2

---

1 عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 241۔ 1 مثنوی مولانا روم، جلد اوّل، صفحہ 285۔ 2 ایضاً، صفحہ 309

حضرت اشرف علی تھانوی کہتے ہیں کہ استاد کے بغیر کوئی تعلیم حاصل کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔ استاد، معلم، شیخ اور مرشد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تعلیم کی ضرورت بقول اُن کے حضرت پیغمبرؐ نے بھی محسوس کی اور اُستاد اور معلم کی قدر و منزلت سے ہمیں باخبر بھی کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''جس کا کوئی اُستاد نہ ہو اُس کا استاد شیطان ہے اور نبی کریمؐ کے استاد جبریلؑ ہیں۔'' 1

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو نبیؐ کے پاس بھیجا اور جبریلؑ آپؐ کے پاس پہلے سے تشریف رکھتے تھے، اُس فرشتہ نے کہا اے محمدؐ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں یا نبی بادشاہ بنیں (یعنی نبی بھی ہو اور بادشاہ بھی) جبریلؑ نے اشارہ کیا کہ آپ کو تواضع اختیار کرنی چاہیئے۔ اس لئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نبی عبد بننا پسند کرتا ہوں۔ اور ہماری غرض اس حدیث کے نقل سے تعلیم جبریلؑ کا ثبوت ہے اور یہ کہ نبی کریمؐ نے اُسی چیز کو پسند کیا جس کو جبریلؑ نے پسند کیا۔ پس اس جگہ جبریلؑ شیخ معلم کے مقام میں تھے اور نبی کریمؐ متعلّم کے مقام میں۔'' 2

مرشد کی رہنمائی کے بغیر طریقت حاصل کرنا مشکل ہے۔ مرید کو اوّل مرحلے میں اپنے سارے علم کو فراموش کرنا پڑتا ہے اور جو مُرشد بتاتا ہے اُسی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ جنید بغدادی کا خیال ہے کہ مرید اُسی کو کہتے ہیں جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو اور اگر وہ اپنے ارادے سے خالی نہ ہو تو اُس کو مرید نہیں کہتے۔ ابوعلی بن الکاتب کہتے ہیں:

''جب مرید پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو پہلا فائدہ جو اُسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچتا ہے وہ یہ کہ اُسے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔'' 3

ابوسعید خراز کا قول ہے:

1 روح تصوف مترجم مفتی محمد شفیع، صفحہ 192۔ 2 ایضاً صفحہ 193۔ 3 کتاب اللمع مترجم سید اسرار بخاری، صفحہ 335

''ایک مخلص ومؤدب مرید کی یہ علامت ہے کہ وقت شفقت مہربانی اور سخاوت اس پر غالب آتی ہے۔ وہ اللہ کے بندوں اور جملہ مخلوق کے مصائب کو ان سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خلق خدا کے لئے زمین کی مانند ہوتا ہے جس پر لوگ دوڑتے پھرتے ہیں۔ اپنے شیخ کے لئے ایک صالح ترین فرزند کی طرح ہوتا ہے بچوں کے لئے شفیق باپ ہوتا ہے، الغرض ساری مخلوق کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر نرم اور محبت میں رچا ہوا ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ ان کے غم میں شریک، ان کی فریاد میں شامل اور اُن کی طرف سے پہنچے والی ہر تکلیف برداشت کرتا ہے۔'' 1

یوسف بن حسین مرید کے اوصاف یوں بیان کرتے ہیں:

''اس کے دشمن بھی اسی طرح اُس سے محفوظ ہوتے ہیں، جس طرح اُس کے دوست، ہر شئے قرآن ہی میں پاتا ہے، جو جانتا ہے اُس پر عمل کرتا ہے اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے کی کوشش کرتا ہے، لایعنی سوچ سے پرہیز کرتا ہے۔'' 2

مُشاد دینوری مرشد اور مُرید کی یوں تعریف فرماتے ہیں:

''میری آنکھیں درویش صادق کو دیکھ کر ٹھنڈک پاتی ہیں، میرا دل حقیقت کے جویان مرید کو دیکھ کر فرحت محسوس کرتا ہے۔'' 3

ڈاکٹر غلام قادر لون مرید کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پیر اور مرید کے درمیان جو تعلق پیدا ہوتا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ اس میں مُرید کے تمام ذاتی ارادے و اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ صوفیہ کے بقول مرید اس کو کہتے ہیں جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو، اگر وہ ارادہ سے خالی نہیں ہوا ہے تو اُسے مرید نہیں کہا جائے گا۔ بیعت کے بعد مرید ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے۔'' 4

---

1 عوارف المعارف مترجم سید اسرار بخاری، صفحہ 335۔ 2 ایضاً، صفحہ 336۔ 3 ایضاً، صفحہ 335۔

4 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 86

مُرشداور مرید کے تعلقات اوراہمیت کے بارے میں ڈاکٹر غلام قادرلون لکھتے ہیں:

''تصوف میں شیخ یا پیر یا رہبر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یہ شیخ ہی کی ذات ہے جومجالست کے دوران مرید کی تربیت وتہذیب، غیبت میں بذریعۂ خواب یا کشف اس کی رہنمائی، جیتے جی آلام ومصائب کے وقت اس کی دست گیری اور موت کے بعد اس کی شفاعت کرتی ہے۔ حیاتِ بشری کے ایک ایک لمحہ میں شیخ مرید کا خضرِ راہ ہوتا ہے اور مرید بھی اپنے علم وعقل اور انا وخودی سے دستبردار ہوکر شیخ کے سامنے ایسی مکمل خودسپردگی کرتا ہے کہ کسی معاملہ میں وہ صاحب اختیار نہیں رہتا۔ شیخ کے سامنے مُرید کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو غسّال کے ہاتھ میں مُردہ کی ہوتی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اسے الٹتا پلٹتا رہے۔''1

مرشد کی اہمیت کو داتا گنج بخش علی ہجویری یوں بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی قوم میں شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ اپنی اُمت میں نبی۔''2

داتا گنج بخش کہتے ہیں کہ مرشد کے پاس جب کوئی مرید تارک دنیا ہوکر رہنمائی کے لئے آتا ہے تو اُسے تین سال تک تین معنی مؤدب اور خُوگر بناتے ہیں اور اگر مرید ان میں قائم ومستحکم رہا تو بہتر ورنہ اُسے کہتے ہیں کہ مسلکِ طریقت میں تمہاری گنجائش نہیں۔ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''ایک سال تک تو اُسے خدمت خلق میں مصروف رکھتے ہیں، دوسرے سال میں اُسے حق تعالیٰ کی خدمت یعنی ریاضت ومجاہدہ کراتے ہیں اور تیسرے سال اپنے دل کی حفاظت کراتے ہیں۔'' 3

مرشد وہ ہوتا ہے جو اپنی ہم نشینی سے دوسروں کی فطری صلاحیت اُبھار سکے پس مرید ہونے کے معنی اس سے زائد کچھ نہیں کہ جس کے صالح وصادق ہونے پر بھروسہ ہو اور جس کی

---

1 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 79، بحوالۂ لطائف اشرفی وجواہرِ غیبی۔

2 کشف المحجوب مترجم مفتی غلام معین الدین، صفحہ 91۔ 3 ایضاً، صفحہ 90

شانِ طاعت وتقویٰ سے اپنا ضمیر ووِجدان مطمئن ہواس کے اتباع کا قصد واہتمام کیا جائے اور اطاعت ونیازمندی کے ساتھ اُس کی خدمت میں حاضری دی جائے۔ کسی عارف کا قول ہے کہ علماء کی محفل میں زبان سنبھال کر بیٹھو، بادشاہوں کی محفل میں نگاہ سنبھال کر بیٹھو اور اہل اللہ اور ولیوں کی محفل میں بیٹھو تو دل سنبھال کر بیٹھو کیونکہ اہل اللہ کی نظر براہِ راست قلب پر ہوتی ہے۔ مُرید کو چاہیئے کہ مرشد کے سامنے مختصر اور بامعنی کلام کرے اور جواب کا منتظر رہے۔ جب مُرید گوشِ ہوش سے نصیحت سنے گا تو دل پر اثر ہونا یقینی ہے۔ مرشد کو زبان اور مرید کو کان بننا چاہیئے کیونکہ مرشد کا قلب تجلیات خداوندی کا خزانہ ہوتا ہے۔

مرید صادق کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ اگر وہ اولیاء اور اصفیاء کے آداب واخلاق پر عمل پیرا ہو تو اللہ سے ان پر عمل کرنے کے سلسلے میں مدد چاہتا ہے۔ مرید غیروں کے بجائے اپنے قلب پر نظر رکھتا ہے۔ مرشد کی رہنمائی اور رہبری سے مرید کے نفس کے اندر درستی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور ذکر واذکار کی تعلیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ پس مرید کو دو کام کرنے پڑتے ہیں۔ ایک شریعت کی پابندی اور دوسرا کثرت ذکر واذکار جس کی وجہ سے اُسے رضائے الٰہی اور قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ مرشد کامل مردِ مومن ہوتا ہے جو ظاہری معنوں میں شریعتِ محمدیؐ پر ثابت قدم رہ کر شرک وکفر اور وہم وگمان سے ہمیشہ عملی اور قولی جہاد کرتا ہے اور باطن میں ارادت مندوں کو نبی کریمؐ کے حضور میں پیش کر کے کائناتِ محمدیؐ کا دیدار کرا لیتا ہے جو کہ راہِ سلوک میں سالک کی آرزو اور تمنا ہوتی ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ تصوف کوئی عجیب شئے نہیں ہے بلکہ یہ نہایت عقل کے موافق، فطرت کے موافق، نہایت سہل اور لذیذ چیز ہے جو مرشد کی رہنمائی اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ طریقت کا راستہ مرشد کی رہبری میں آسانی سے طے ہو جاتا ہے اور مرشد کے بغیر اس راہ پر چلنے کی کوشش کرنے والے شیطان کی وجہ سے راستے سے بھٹک گئے اور ہلاک ہوئے اسی لئے مولانا رومؒ کہتے ہیں:

ہرکہ اُو بے مرشدے در راہ شُد
اُو زِ غولان گمرہ و در چاہ شُد [1]

بیعت یعنی پیر کرنے میں ہر سلسلے میں اپنا اپنا طریقہ مقرر ہے۔قادری سلسلے میں ایک طریقہ ہے تو نقشبندی سلسلے میں دوسرا طریقہ رائج ہے،سہروردی والے اپنے طریقے سے بیعت کروا لیتے ہیں تو چشتیہ سلسلہ والے اپنے طریقے سے غرضیکہ بیعت کرانے کے ہر سلسلے میں اپنے طریقے سلسلہ کے بانیوں نے مقرر کر رکھے ہیں۔تصوف کی کتابوں سے بیعت کرنے کے جو مختلف طریقے ملتے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مرید شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے، سر پر اُسترا پھیرے اور پیر طریقت سے خرقہ حاصل کرے۔ڈاکٹر غلام قادر لون لکھتے ہیں:

> ''مشائخ میں سے کسی نے آج تک ان شرائط کو ترک نہیں کیا ہے۔شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا کہنا ہے کہ مرید تب تک مرید نہیں ہوتا جب تک کہ شیخ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لے،اس کے سر کے بال چھوٹے نہ کرے اور اُسے خرقہ عطا نہ کرے''۔1

کچھ سلسلوں میں بیعت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر کے بال صاف کروائے جاتے ہیں پھر پیر کا اقرار کرنا اور بعد میں خرقہ پہنانا۔کچھ پیر طریقت سر سے تین بال کاٹتے ہیں۔دو بال سر کے دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے، کچھ مشائخ چار بال کاٹ لیتے ہیں ایک بال سر کے دائیں جانب اور ایک بال سر کے بائیں جانب سے، ایک پیشانی سے اور ایک سر کے پچھلے حصے سے کاٹ لیتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ عمل چار پردوں کے چاک کرنے پر دلالت کرتا ہے۔یہ چار پردے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مرید دونوں جہانوں سے قطع علائق کرے گا، قطع وجود کرے گا، اور طالب و مطلوب کے درمیان جو مخلوق کا پردہ ہے وہ ہٹ جائے گا، دنیا جو عقبیٰ کا پردہ ہے وہ چاک ہو جائے گا، عقبیٰ جو بندے اور مولا کے درمیان حجاب بنتا ہے وہ ہٹ جائے گا اس لئے تین بال کاٹے جاتے ہیں۔مرید کے سر سے چار بال کاٹنے کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ متذکرہ بالا تین پردوں کے علاوہ چوتھا پردہ نفس ہے وہ بھی دور ہونا چاہئے تا کہ مرید مراد کو پہنچ سکے۔کچھ سلسلوں میں مرشد مرید سے گواہوں کے سامنے بیعت لیتے ہیں اور اُسے خانقاہ میں یا کسی اور جگہ چالیس دن کے لئے گوشہ نشین کرا لیتا ہے جس کو چلّہ کہتے ہیں اور اس دوران مرید کو

1 مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 67

مختلف ذکر واذکار اور وظائف پڑھنے ہوتے ہیں۔کسی سلسلے میں مرشد اپنا دایاں ہاتھ مرید کے دائیں ہاتھ میں دیتا ہے اور کوئی مخصوص سورۂ شریف پڑھ کے مُرید کے سینے پر دم کرتا ہے اور سلسلے میں داخل کرتا ہے البتہ ایک بات تمام سلسلوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ بیعت کے بعد مرید سے وعدہ لیتے ہیں کہ صوم وصلوٰۃ کے پابند رہو گے، تلاوتِ کلام اللہ ہمیشہ کرو گے، نظر کی حفاظت کرو گے، زبان کی نگہداری کرو گے، شریعت پر مکمل عمل کرو گے، خلقِ خدا کی خدمت کرو گے۔

مرشد چونکہ روحانی امراض کا ماہر ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ مرید کے قلب کی طہارت اور پاکیزگی میں طریقت کا راز چھپا ہے لہٰذا وہ مرید کو خطراتِ قلبی سے واقف کرتا ہے اور اس کے قلب سے گناہوں کی کدورت دور کرنے کے لئے صیقلِ قلب کے طریقے بھی سکھاتا ہے جو مختلف اذکار پر مشتمل ہوتا ہے۔قلب چونکہ مقامِ ذکر ہے لہٰذا ان اذکار سے مرید کی دل کو سکون ملتا ہے ہے اور اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ذاکر ہونا آسان کام نہیں اس لئے مرید کو خاصی محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔ترکِ لذات ترکِ شہوات اور ترکِ نُوم کے علاوہ قلتِ کلام سے بھی کام لینا پڑتا ہے، کم خور، کم گفتار اور کم خواب کے فارمولے پر عمل کرنا پڑتا ہے۔تب جا کے اللہ کے نور کا مشاہدہ اور اسرارِ الٰہی کے راز مرید کے قلب پر کھُل جاتے ہیں۔اِسی ذکر کی بدولت مرید کا دل، دلِ بینا بن جاتا ہے۔اِسی لئے علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نُور دل کا نُور نہیں

حضرت سلطان باہو جو قادری سلسلے کے فقیر گذرے ہیں، کا طریقۂ بیعت کچھ اور ہی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مرید کے سر سے سات بال گن کر ہاتھ میں لے کر مقراض سے کاٹنے سے مرید کو مرتبۂ کمال تک پہنچایا جاسکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''اوّل بال کے تراشنے سے مرید کے وجود کو جمعیت بخشے کہ دلِ غنی ہو اور حرص نہ رہے اور دوسرے بال تراشنے سے ذکر حاصل ہو اور حسد نہ رہے اور تیسرے بال کے تراشنے سے معرفتِ الٰہی مُنہ نہ دکھادے اور غرور نہ رہے اور چوتھے بال سے اللہ کے نور کی تجلیات اور روشن ضمیری ہو اور بُغض نہ رہے اور پانچویں بال کے

تراشنے سے مشاہدہ ظاہر ہو اور عجب نہ رہے، چھٹے سے مجلسِ انبیاء اور اولیاء کی حاصل ہووے اور غصّہ نہ رہے اور ساتویں سے مشاہدۂ حقیقی اور لذتِ تحقیقی حاصل ہو اور اُٹھ جاوے حجاب اللہ اور اُس کے درمیان کا۔'' [1]

طریقت اور تصوف کی مشہور کتابوں میں پیرانِ طریقت یا مرشد کامل کے لئے اور مرید کیلئے کچھ شرائط بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مرشد کے لئے جو شرائط بتائے جاتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

1۔ مرشد کے لئے شرطِ اوّل یہ ہے کہ کسی بھی صورت میں مرید کو آزاد نہ چھوڑے اور اگر مرید گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لئے جائے مرشد کی اجازت سے جائے۔

2۔ مرشد کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اُس سے صادر ہو تنبیہ کرے اور عفو و درگذر سے کام نہ لے۔

3۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مرید سے عہد لے کر یہ سمجھائے کہ کوئی بھی خطرۂ قلبی یا باطنی حال مرشد سے نہ چھپائے۔

4۔ مرشد پر یہ لازم ہے کہ وہ مرید کی ہر سانس اور حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ اس کو مطیع دیکھے اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرے۔

5۔ مرشد کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ پیری کی جگہ پر اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اس کو کوئی پیر اس جگہ پر خود نہ بٹھائے۔

6۔ مرشد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب کسی مسئلہ پر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے اور کوئی جھگڑا کرنے والا کھڑا ہو جائے تو اپنے کلام کو قطع کر دے۔

7۔ مرشد کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرید پر پاک، منزہ اور مقدس صورت میں ظاہر ہو۔ شریعت کی محافظت اور اقدام سے جس پر اللہ تعالیٰ کے خاص بندے گذرے ہیں تجاوز نہ کرے۔

8۔ مرید کو کبھی کسی دورے مرشد یا کسی مرشد کے مریدوں کے پاس نہ بیٹھنے دے صرف

---

[1] محک الفقراء کلاں، صفحہ 87-186

برادرانِ طریقت سے ہی ملنے کی اجازت دے۔

9۔ جب مرشد اپنے مرید کے ساتھ جداگانہ بیٹھے اس کے لئے لازم ہے کہ مرید کو زجرو توبیخ کرتا رہے اور یہ کہ جو حالات مرید پیش کرے اس کے متعلق یہ ظاہر کرے کہ یہ ادنیٰ درجے کا اور ناقص حال ہے اور مرید کو مغرور نہ ہونے دے۔

10۔ اگر کسی مرشد کو اپنے سے زیادہ صاحب کمال دیکھے تو اس کی ملازمت اختیار کرے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی ملازمت اختیار کرنے کا حکم دے دے۔

11۔ مرشد کو چاہیئے کہ اگر کوئی مرید اپنا خواب بیان کرے یا کوئی کشف ومشاہدہ بیان کرے تو اس کی حقیقت پر اس کے سامنے ہرگز کلام نہ کرے۔

12۔ مرشد کو چاہیئے کہ اپنے مریدین کے ساتھ رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ مجالست نہ کرے اور گھر میں ایک گوشہ اپنے لئے ضرور ہونا چاہیئے جس میں اس کی اولاد میں سے بھی کوئی اندر نہ جا سکے سوائے اس کے کہ جس کو وہ اجازت دیدے۔

13۔ مرشد کو چاہیئے کہ اپنے مرید کے لئے بھی ایک گوشۂ تنہائی مقرر کرے جو اس کے لئے مخصوص ہو اور کسی دوسرے کو اس میں جانے کی اجازت نہ دے اور مرید کے لئے گوشہ تنہائی مقرر کرکے پہلے اس میں خود جائے اور بعد میں مرید کو اس میں بٹھادے۔

مرید کے لئے جو شرائط تصوف کی کتابوں میں درج ہیں وہ یہ ہے:

1۔ جو کچھ دل پر گذرے مرشد کو بتادے اور کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔

2۔ اپنے مرشد کی کسی بھی بات پر اعتراض نہ کرے۔ وہ جو کہے اُسی پر عمل کرے۔

3۔ مرشد کی طلب میں صادق ہو۔

4۔ مرشد کے کسی بھی کام یا عمل کی نقل نہ کرے۔

5۔ مرشد کے ظاہر کلام کے بارے میں توقف اختیار کرے۔

6۔ مرشد کی ہمیشہ تابعداری کرے اور کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔

7۔ مرید کو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے آ کو کمترین خیال کرے۔

8۔ مرشد کے احکامات میں خیانت نہ کرے۔ اُس کے احترام کا ہمیشہ خیال رکھے۔

9۔ مرید کی اپنی کوئی خواہش نہ ہو اور ہمیشہ مرشد کی باتوں پر ہی عمل کرے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

''مرید کو چاہئے کہ شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش رہے اور شیخ کے روبرو کوئی اچھی اور عمدہ بات بھی اس وقت تک نہ کہے جب تک شیخ سے اجازت طلب نہ کرے اور شیخ کی طرف سے اجازت نہ ملے۔'' 1

مندرجہ بالا باتوں پر عمل کر کے مرید اگر سنگِ خارہ بھی ہو گوہر بن جائے گا اور مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کیونکہ اُسی کی رہنمائی اور رہبری سے طریقت میں کامیابی اور کامرانی مل سکتی ہے۔ مرید کو چاہئے کہ شک وشبہ کے بغیر اپنے پیر کے دامن کو تھامنے تاکہ آخرت کی مصیبت سے چھٹکارا پا سکے۔ مولانا رومی کہتے ہیں ؎

دامنِ اُوگیر زود تر بے گمان
تا رہی از آفتِ آخر زمان 2

شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

''شیخ مریدوں کے لئے الہام کا محافظ ہے اسی طرح جیسے حضرت جبریلؑ وحی الٰہی کے امین تھے۔ جس طرح جبریل نے وحی می ں کبھی خیانت نہیں کی اِسی طرح شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا۔'' 3

مرشد کی اتباع کا جذبہ صوفیائے کرام میں اس قدر پختہ ہے کہ اس پر مریدین جان بھی نثار کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر صوفیائے کرام کے مطابق فرمانِ شیخ فرمانِ رسولؐ کے مترادف ہوتا ہے۔ ڈاکٹر غلام قادر لون اس بارے میں ''سیر الاولیاء'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''شیخ کا فرمان رسولِ خداؐ کے فرمان کی مانند ہوتا ہے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے ایک بار اپنے ایک مرید کو آواز دی جو نماز میں مشغول تھا، اس نے نماز

---

1 عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، صفحہ 560۔ 2 مثنوی مولائے روم، صفحہ 73۔

3 عوارف المعارف، صفحہ 561

توڑی اور شیخ کا جواب دیا۔'' 1

مرشد کے بارے میں صوفیہ کے یہاں راسخ عقیدہ ہے کہ وہ ہر مشکل گھڑی میں اپنے مرید کی دست گیری کرتا ہے۔تصوف کی کتابوں میں ایسے ہزار ہا واقعات درج ہیں جنہیں پیر اور مرشد نے مرید کے رنج والم کو دور کیا۔اس بارے میں یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور اُن کے ایک مرید کا واقعہ درج کرتا ہوں جس کے بارے میں علامہ نور بخش توکلی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے:

''سید جمال الدین جو حضرت شیخ کے مقبولین سے تھا بیان کرتا ہے کہ ایک جنگل میں اچانک ایک شیر میرے آگے آیا۔تنہائی کی وحشت اور اُس درندے کی ہیبت سے میں سخت ہراساں ہوا، بھاگ جانا بھی ممکن نہ تھا۔ناچار میں نے حضرت شیخ کی طرف توجہ کی کہ بچایئے۔میں نے اُسی وقت معاملہ میں دیکھا کہ حضرت عصا ہاتھ میں لئے دوڑے آرہے ہیں۔آپ نے آتے ہی نہایت زور سے عصا اُس شیر کے منہ پر مارا۔جب اس معاملہ سے میری آنکھ کھلی تو میں نے نہ حضرت کو دیکھا اور نہ جنگل میں شیر کا کوئی نشان پایا۔'' 2

یہ بات عقل قبول نہیں کرسکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ولیوں کو بہت طاقت عطا فرمائی ہے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ سے اس بارے میں مولانا روم کہتے ہیں کہ جب سچا اور متقی انسان یعنی دوست خدا اپنے تقویٰ اور اطاعت الٰہی سے مقبولِ بارگاہ ہوجاتا ہے تو تمام کاموں میں پھر اُس کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے مترادف ہوجاتا ہے ؎

چون قبول حق بود آن مردِ راست
دستِ او درکار ہا دستِ خداست 3

علامہ اقبال بھی اس بات کے قائل نظر آتے ہیں۔اسی لئے کہا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب وکارآفرین کارکُشا کارساز 4

---

1 مطالعۂ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں،صفحہ 95۔ 2 تذکرۂ مشائخ نقشبندی،صفحہ 217

3 مثنوی مولائے روم دفتر اوّل،صفحہ 184۔ 4 کلیات اقبال (بال جبریل) صفحہ 77

خاکی ونوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز

مرشد سے مرید کی عقیدت کے بارے میں تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں مرشد سے عقیدت اور عشق کے بارے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرید کس طرح اپنے مرشد سے دیوانگی کی حد تک عشق رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت نظام الدین اولیاء نے جمنا کنارے ہندوں کو پُوجا کرتے ہوئے دیکھا تو برجستہ اُن کی زبان سے ایک مصرع نکل گیا'' ہرقوم راہست راہے دینے وقبلہ گاہے''یعنی ہرقوم کا عبادت کا ایک طریقہ ہے، دین ہے اور قبلہ ہے۔ اُس وقت نظام الدین اولیاء کے سر پرٹوپی تھی جو اُنہوں نے ٹیڑھی پہن رکھی تھی۔ اُن کے مرید خاص یعنی امیر خسرو بھی اُن کے ہمراہ تھے تو یہ مصرع سنتے ہی امیر خسرو نے دوسرا مصرع ازراہِ عقیدت یوں کہا ہے ؎

من قبلہ راست کردم سوئے تو کج کلاہے

یعنی میرا قبلہ آپ کی ٹیڑھی ٹوپی ہے۔ اس بات سے مرید کا پیر کے ساتھ عقیدت کا پتہ چل جاتا ہے اور ایسی بہت سی مثالیں تصوف کی کتابوں میں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اولیاء اللہ خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں اُن کے دِلوں میں نغمہ ہائے شیریں ہوتے ہیں لیکن ہر کان اُن کو سُن نہیں پاسکتا۔ اس کے بارے میں مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے کہ اولیاء کے دلوں کے اندر خوبصورت اور دلکش نغمہ ہوتے ہیں جن سے مریدوں کی زندگیاں سنور جاتی ہیں لیکن اُن نغموں کو ظاہری اور حِسّی کان نہیں سن سکتے کیونکہ دنیا کی باتوں سے حِسّی کان ناپاک ہوجاتے ہیں۔ اگر اُن نغموں کو جو اہلِ دل حضرات کے دلوں میں ہوتے ہیں، تھوڑا سا بھی بیان کروں تو روحیں قبروں سے نکل پڑیں گی ؎

اولیاء را در درون ہم نغمہ ھا است — طالبان را زاں حیاتِ بے بہاست
نہ شنود آن نغمہ ہا را گوشِ حِس — کنز سخن ہا گوشِ حِس باشد نجس
گر بگویم نغمۂ زان نغمہ ہا — جان ہا سر بر زنند از دخم ہا [1]

---

[1] مثنوی مولائے روم (دفتر اوّل) صفحہ 211۔

مختصر یہ کہ اولیاء اللہ خدا کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور یہی مرشد کہلانے کے مستحق ہیں اور انہی کی وجہ سے کئی ویران دل آباد ہوئے ہیں اور آباد ہوتے رہیں گے۔ یہی لوگ خاک کو اکسیر بنا سکتے ہیں اور اپنی آستینوں میں یدِ بیضا لئے بیٹھے ہوتے ہیں لیکن اُن کو نہ چاہت ہے دولت کی اور نہ تمنا ہے حکومت کی۔ یہی لوگ کامل ہوتے ہیں۔ مولانا روم اِسی لئے کہتے ہیں ؎

کاملی گر خاک گیرد زر شود
ناقص ار زر برُد خاکستر شود [1]

اور علامہ اقبال اپنی عقیدت کے پھول اُن پر اس طرح نچھاور کرتے ہیں ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

یا

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں [2]

یہ باتیں ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آسکتی ہیں کیونکہ روحانی بحث کا مقام ہی کچھ اور ہے اور روحانی شراب اور مستی کا عالم ہی دوسرا ہوتا ہے ؎

بحثِ جان اندر مقامے دیگر است
بادۂ جان را قوامے دیگر است [3]

☆☆

[1] مثنوی مولائے روم (دفتر اوّل) صفحہ 184

اولیاءاللہ

ولی کے لغوی معنی ہیں خدارسیدہ، خدا کا مقرب بندہ، گہرا دوست ولی اللہ مقربِ خدا کو کہتے ہیں۔ ولی کی جمع اولیاء ہے۔ ولی وہ شخص ہے جو اللہ کی ذات وصفات کو پہنچائے۔ ہمیشہ طاعات بجالائے، محرکات سے بچے، لذت اور شہوت میں منہمک نہ ہو۔نجاستوں سے بچتا رہے، فرائض کا تارک نہ ہو، مجنون اور پاگل نہ ہو، شرمگاہ اور بدن کو برہنہ نہ رکھتا ہو۔ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یادرکھو جو خدا کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' 1

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس کو خبر کئے دیتا ہوں کہ میں اُسے لڑوں گا'' 2

اللہ کے ولیوں سے جنگ خدا سے جنگ اور ان کی دوستی خدا سے دوستی کرنے کے برابر ہے۔اس بارے میں امام غزالی حضرت سفیان ثوری کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں:

''جو شخص اللہ کے دوست کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احترام کرنے والے کا احترام کرتا ہے وہ اللہ کا احترام کرتا ہے۔'' 3

مولانا رومی کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ تھوڑی مُدت بیٹھنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا صد سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے ؎

---

1 سورۂ یونس۔ 2 صحیح بخاری شریف حدیث، صفحہ 1422 ۔ 3 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 94

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

یہ اولیائے کرام خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں۔رومی فرماتے ہیں ؎

خاصانِ خدا، خدا نہ باشند
لیکن از خدا جُدا نہ باشند

مولانا کا خیال ہے کہ جو شخص خدا کے ساتھ ہم نشینی کا خیال رکھتا ہو اس کو اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
اُو نشیند در حضورِ اولیاء

حدیث کی کتابوں میں اولیاء اللہ کی عظمت، ان کی کرامات اور ان کے مرتبے اور مقام کے بارے میں بہت کچھ درج ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مرتبہ اُنہیں صرف فرض کی ادائیگی سے نہیں بلکہ کثرت عبادت اور نوافل کی زیادتی سے حاصل ہوتا ہے اور وہ نفس کشی اور تصفیہ قلب کرتے ہیں۔اللہ کے سب بندے یکسان اور برابر نہیں ہیں بلکہ بعض کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ خدائے تعالیٰ خود ان سے محبت فرماتا ہے اور فرشتوں اور زمین وآسمان کی مخلوق کے دِلوں میں ان کی محبت کی مقبولیت پیدا فرما دیتا ہے اس سلسلے میں صحیح بخاری شریف میں حدیث درج ہے جس کا مفہوم ہے:

''سیدنا ابو ہریرہؓ رسولِ پاکؐ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے تو وہ حضرت جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کرنا تو حضرت جبریل اس سے محبت فرماتے ہیں پھر حضرت جبریلؑ آسمان والوں میں اعلان فرماتے ہیں کہ فلاں بندے سے اللہ کو محبت ہے تو تم سب اس سے محبت کرو تو سارے آسمان کے فرشتے بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔'' [1]

---

[1] تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 93

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش اپنی کتاب میں خدا کے خاص بندوں اور اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جیسے بادشاہ کے دربار میں حاجب، دربان، امیر اور وزیر ہوتے ہیں حالانکہ خدمت اور نوکری کے اعتبار سے وہ سب برابر ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے پر فرقِ مراتب کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اِسی طرح ایمان کی حقیقت میں تمام مسلمان برابر ہیں اس کے باوجود کوئی ''عاصی'' کوئی ''مطیع'' کوئی ''عالم'' کوئی ''جاہل'' ہے۔ اِسی بناء پر خصوصیت کے انکار سے ہر معنی کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔'' 1

علامہ ابن حجر ولی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''ولی اللہ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کا علم رکھنے والا، اس کی اطاعت پر مداومت کرنے والا اور اُس کی عبادت میں اخلاص برتنے والا ہو۔'' 2

حضرت ابوعلی جرجانی ولی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ الٰہی میں باقی ہے اس کے لئے ممکن نہ ہو کہ اپنے حال کی خبر دے اور نہ اسے غیر اللہ سے سکون وقرار حاصل ہو۔'' 3

حضرت جنید بغدادی ولی کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ولی کو خوف نہیں ہوتا ہے کیونکہ خوف اس مکروہ چیز کو کہتے ہیں جس کے آنے سے دل میں ناگواری یا جسم پر کوئی سختی آئے یا حاصل شدہ محبوب چیز کا گُم ہونے کا خدشہ ہو۔ ولی کے پاس اتنا وقت ہی کہاں کہ وہ آنے والے لمحات کا خوف کرے۔'' 4

شاہزادہ داراشکوہ کا خیال ہے کہ انبیاء کے بعد اولیاء اللہ کا مرتبہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ دنیا ان ہی کے وجود سے قائم ہے۔ لکھتے ہیں:

---

1 کشف المحجوب، صفحہ 313۔ 2 تصوف اور اہل تصوف عروج احمد قادری، صفحہ 52۔

3 کشف المحجوب، صفحہ 316۔ 4 سفینۃ الاولیاء، صفحہ 18

''مخلوقاتِ الٰہی میں انبیاء کے بعد اولیائے کرام کا مرتبہ سب سے افضل واعلیٰ ہے کیونکہ یہ حضرات بمصداقِ آیت کریمہ یُحبھُم ویحبُونہٗ خدائے تعالیٰ کے سچے عاشق بھی ہیں اور اس کے محبوب بھی۔ اولیائے کرام کی جماعت ہر زمانہ میں موجود رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی کیونکہ دنیا کا قیام ان ہی کے مبارک وجود سے قائم ہے۔''

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بُسطامی سے پوچھا گیا کہ ولی کون ہے تو اُنہوں نے فرمایا:

''ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امرونواہی کے تحت صبر کرے'' الولی ھو الصابر تحت الامر والنھی '' کیونکہ جس کے دل میں محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ اس کے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا اور اس کی مخالفت سے دور رہے گا۔'' [1]

داتا گنج بخش ایک اور جگہ ولی کی صفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ وہ لوگ ہیں جو مال ودولت کے بغیر صرف ذاتِ الٰہی سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے چہرے نُور کے میناروں پر روشن وتاباں ہیں۔ لوگوں کے خوف کے وقت یہ بے خوف اور ان کے غموں کے وقت بے غم ہیں۔'' [2]

حضرت جنید بغدادی کے حوالے سے داتا گنج بخش یوں لکھتے ہیں:

ولی کو کوئی غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم وقت کی تلچھٹ ہے جو شخص رضا کی روشنی اور شُکر کی چاندنی میں ہواُ سے غم کہاں۔ اللہ تعالیٰ اِسی کی خبر دیتا ہے کہ خبردار اللہ کے ولیوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم وفکر۔'' [3]

اوپر ہم نے ابھی مکاشفۃ القلوب کے حوالے سے بات کی کہ کس طرح اللہ اپنے بندۂ خاص کے بدلے ان کے دشمنوں سے لڑتا ہے۔ اس سلسلے میں داتا گنج بخش نے اپنی کتاب میں ایک حدیث قدسی درج کی ہے جو یُوں ہے۔ ''من اٰذیٰ ولیاً فقد اسحل محاربتی۔ جس نے میرے ولی کو ایزا اور تکلیف دی اس سے میرا لڑنا حلال ہوگیا۔ کتاب وسنت کے ان دلائل

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ 319۔ [2] ایضاً، صفحہ 311۔ [3] ایضاً، صفحہ 317۔

سے مراد یہ ہے کہ اولیاءاللہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی وولایت سے مخصوص کر کے اپنے ملک کا والی بنایا ہے اوران کے احوال کو برگزیدہ کر کے اپنے فعل واظہار کا مرکز بنا یا ہے اور متعدد کرامتوں سے سرفراز کر کے ان کی طبع کی آفتوں اور نفس وہوا کی پیروی سے پاک ومنزہ فرمایا ہے تا کہ ان کے ارادے خدا کے لئے ہوں اوران کی محبت اُسی سے ہو۔زمانہ ماضی میں ہم سے پہلے بھی اولیاءاللہ گذرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔'' [1]

حضرت داتا گنج بخش اولیاءاللہ کی عظمت اور اُن سے محبت کرنے کے سلسلے میں حضورؐ کا ارشادگرامی یوں نقل کرتے ہیں:

''رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جوصوفیا کی آواز سنے اوران کی دُعا پر آمین نہ کہے تو وہ اس کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔'' [2]

مولانا رومی اولیاء سے محبت کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ اولیاءاللہ کی محبت جنت کی چابی ہے اوران سے دشمنی کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو ؎

حُب درویشاں کلیدِ جنت است
دشمن ایشان سزائے لعنت است

ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ ولی کے اندر اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے لہٰذا نیک بن کے بیٹھ اگر اہل دل ہو ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بین باشی اگر اہلِ دِلی

حضرت شیخ احمد سرہندی مجددالف ثانیؒ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علامہ شاہ ابوالحسن فاروقی اولیاءاللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار سے برسرِ پیکار نہیں بہ جز منکرِ اولیاء اور آکلِ ربا۔ یہ دونوں معرضِ خطر میں ہیں کہ ان کا خاتمہ خرابی پر ہو جائے گا کیونکہ

---

1. کشف المحجوب،صفحہ 12-11۔ 2. کشف المحجوب،صفحہ 98۔

اللہ سے لڑائی کافری کی رہتی ہے۔'' 1

اولیاء اللہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں وہ کبھی بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے ہیں اِسی وجہ سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اللہ کے حکم کی کبھی حکم عدولی نہیں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابن تیمیہ یوں لکھتے ہیں:

''انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہی اس کی عظمت پنہاں ہے۔ جتنا زیادہ وہ خدا کی عبادت واطاعت کرے گا اتنا وہ کامل اور عظیم ہوتا چلا جائے گا۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ وہ خدا کی اطاعت سے بے نیاز ہوسکتا ہے یا عبودیت کے حدود سے آگے جاسکتا ہے تو جاہل اور گمراہ ہے۔'' 2

حضرت شیخ فریدالدین عطاء تذکرۃ الاولیاء، میں لکھتے ہیں کہ اگر قرآن وحدیث کے بعد کسی کلام کو عظمت وفضیلت حاصل ہے تو وہ اولیاء اللہ کا کلام ہے کیونکہ ان کا کلام ظاہری تصنع سے پاک اور عشق الٰہی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ محمد الطاف ابن اسماعیل کشمیری اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب دیکھے جائیں تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔ پیارے اولیاء اللہ کے چہروں پر انوارِ ربانی تجلیات رحمانی ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال وافعال سنت رسولؐ کے مطابق ہوتے ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر مومنوں کے ایمان تازہ ہوجاتے ہیں۔'' 3

اولیاء اللہ کی عظمت اور طاقت کے بارے میں تصوف کی کتابوں میں دفتروں کے دفتر پڑھنے کو ملتے ہیں۔ شہزادہ داراشکوہ لکھتے ہیں:

''اس گروہ سے زیادہ نہ کوئی بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہوسکتا ہے اور نہ کوئی ایسا بے نیاز اور کامل ترین جیسا کہ اولیائے کاملین کی جماعت ہوتی ہے۔ حلم، بُردباری، شجاعت، دلیری، سخاوت اور جوانمردی وغیرہ اور اخلاقِ حمیدہ میں ان کا

---

1 حضرت مجدداوران کے ناقدین، صفحہ 64۔ 2 مدین اُمت اور تصوف، صفحہ 34

3 خوشبوئے شان اولیا اللہ قرآن وسنت کی روشنی میں، صفحہ 1۔

کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا۔'' 1

علامہ اقبال کو بھی اولیاء کرام سے بہت عقیدت تھی اور وہ ان کے کمالات کے معترف تھے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال کی شاعری گواہ ہے محمد حامد ایک جگہ اس بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''اقبال کو اہل اللہ سے گہری ارادت مندی تھی۔ وہ ان اولیاء اللہ کے دل سے قائل تھے جو سیرتِ اسلامی کی متاعِ گراں بہا سینوں میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ان کے بارے میں انہوں نے کہا ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں 2

اقبال کی نظر میں اولیاء اللہ میں بہت طاقت ہوتی ہے اور وہ تقدیر بدلنے پر بھی قادر ہیں ؎

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ اولیاء اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ولی اللہ کے قبضے میں ہوتا ہے اور اُسے اللہ کی معاونت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

''....یہ وہ شخص ہے جو خدا کے قبضہ میں ہوتا ہے اُسی کے امینوں میں سے ایک امین ہے جو اسرارِ الٰہی سے واقف ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی جتنی چیزیں ہیں ان میں سے ہر ایک چیز اس کے پاس پہنچتی ہے اس وقت اس کی ذاتی صفات برطرف ہوجاتی ہیں۔نہ اس میں گفتگو اور نہ عقل رہتی ہے بلکہ اس مقام کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے جو اولیائے کرام کی آخری حد ہے۔'' 3

علامہ اقبال ان ہی اولیائے برگزیدہ اور اہل دل ولیوں کے بارے میں کہتے ہیں ؎

جلاسکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چُھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ ان اولیاء اللہ کی خدمت سے انسان کو بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔

---

1 سفینۃ الاولیاء صفحہ 18۔ 2 افکار اقبال، صفحہ 256۔ 3 غنیۃ الطالبین، صفحہ 632

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا ہے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

صحیح بخاری شریف میں باب التواضع میں ایک حدیث درج ہے جس کا خلاصہ شیخ سیدعبدالقادر جیلانیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

''جب میرا بندہ فرائض ادا کرنے کے بعد میرا قرب حاصل کرتا ہے اور میری دوستی کا طالب ہوتا ہے تو میں اُسے اُسی وقت اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ پھر اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ اس کے دل میں داخل ہوتا ہوں۔ وہ میرے حکم ہی سے سنتا ہے، میری ہی مدد سے دیکھتا ہے، میری ہی زبان سے بولتا ہے۔ سب کچھ مجھ ہی سے سنتا، مجھ ہی سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ اس قسم کے بندے کا دل اللہ ہی کی محبت سے بھرا ہوتا ہے۔ خدا کے علم، نور اور معرفت سے منور ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔'' 1

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

حضرت سلطان باہو لکھتے ہیں کہ ولی مرتے نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں۔

''اولیاءاللہ کو قبر میں مردہ مت سمجھو کیونکہ قبر اُن کے لئے سونے کی جگہ ہے جیسے کہ نوم العروس ہے یعنی قیامت تک ایک لحظہ ان کو مثلِ خواب کے ہے پس جس کا وجود بہ ذکر اللہ خاک کے نیچے سوتا ہو اس کی قبر کی آراستگی اور نقش و نگارِ قبر کی کیا حاجت ہوتی ہے۔'' 2

داراشکوہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ولی زندہ ہوتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اولیاءاللہ کی موت ان کے نفس کی موت

ہوتی ہے اورنفس کی موت کے بعد اُنہیں ابدالآباد کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔
اَلـمُـومـنُ حَـیٌ فِی الدَارینَ احی العارِف یعنی مومن دونوں جہانوں میں
زندہ ہے۔ نیز نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک جگہ سے
دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہیں۔'' 3

سورہ البقرہ ۱۵۴ میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔''اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں'' ولی اپنے نفس اورخواہشاتِ نفسانی کو رضائے الٰہی میں مارتا ہے لہٰذا شہید راہِ حق کہلاتا ہے اور شہید بہ گفتۂ اللہ زندہ ہیں۔

ولی بننا آسان نہیں ہے اس کے لئے صوفیوں کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے کئی دشوار مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں، نفس کے ساتھ جہاد کرنا پڑتا ہے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے بعد ولی کو جن مقامات سے گذرنا پڑتا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر سیار محمد سعید شاہ قادری یوں لکھتے ہیں:

''ایک ولی کو چالیس مقامات کوعبور کرنا پڑتا ہے اور وہ ہیں مقامِ ذکر، فکر، شکر، صبر، تسلیم، عمل، توکل، قناعت، زُہد، مجاہدہ، مشاہدہ، مجلس، توجہ، فقر، فاقہ، فنا، بقا، عبادہ، علم، حلم، سخاوت، شجاعت، تواضع، شفقت، رحمت، حیا، شرم، مسکنت، صوم، صلوٰۃ، قیام، دوام، عزلت، خلوت، ریاضت، تجدید صداقت، معرفت، توحید، تسبیح وتحلیل۔ جب ان مقامات میں کامیابی کے ساتھ گذرتا ہے تو اس کو سات خرقوں سے نوازا جاتا ہے وہ ہیں خرقۂ صوفیان، عابدان، زاہدان، صابران، شاکران، محبان اور عارفان۔اس کے بعد چار مقامات ہیں وہ یہ ہیں مقامِ جبروت، مقامِ ملکوت، مقام لاہوت اور مقامِ ناسوت۔صوفیہ کا کہنا ہے کہ مقامِ جبروت حضرت جبریل کا مقام ہے مقامِ ملکوت حضرت میکائیل، مقامِ لاہوت حضرت اسرافیل اور مقامِ ناسوت حضرت عزرائیل کا مقام ہے...... کہا جاتا ہے کہ شریعت ایک درخت کے مانند ہے طریقت اس کی شاخیں ہیں، حقیقت اس کے پتے اور معرفت اس کے میوے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر شریعت اگر دودھ

ہے تو طریقت دہی ہے حقیقت مکھن ہے اور معرفت گھی کے مانند ہے۔'' 1

جس خدا کے بندے کے دل میں اللہ کی محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ اس کے حکم کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرے گا اور بندگی میں مشغول رہے گا اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری یوں لکھتے ہیں:

''اولیاءاللہ میں جو بزرگ اس صفت ''احسان'' کے مظہر بنتے ہیں ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کی رفعتِ شان کا عام چرچا ہوتا ہے۔ خلقت ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتا ہے۔'' 2

حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے رسالہ مبدٗ ومعاد میں لکھتے ہیں کہ اکثر اولیاءاللہ اپنے آپ کو چھپاتے ہیں اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

''اولیاءاللہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں (اولیاء اللہ) کو اس طرح پردوں میں چھپایا ہوا ہے کہ بعض اوقات ان کے ظاہر (جسم) کو ان کے باطن (قلب) کی خبر نہیں ہوتی۔ دوسرے لوگوں کی تو بات ہی کیا وہ اپنے آپ سے بےخبر ہوتے ہیں۔ ان کے باطن کو جو نسبت بےکیفی اور بےعقلی سے حاصل ہوتی ہے وہ بھی بےکیف اور بےمثال ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا وہ خود بھی اس بےکیفی سے حصہ لیتے ہیں۔ وہ ظاہری طور پر دنیا کے اسباب وعِلل میں گرفتار نظر آتے ہیں مگر ان کی حقیقت کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔'' 3

تصوف کی بنیادی کتب جن میں کشف المحجوب بھی شامل ہے، میں اولیائے کرام کی درجہ بندی کی گئی ہے جو یوں ہے:

1۔ مکتوم —(پوشیدہ ولی) یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں اور ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔

---

1 کشمیر میں صوفیت ریشیت کے تناظر میں، صفحہ 3-102۔ 2 سلوک وتصوف کا عملی دستور

3 رسالہ معبد ومعاد مترجم پیرزادہ محمد اقبال احمد فاروقی، صفحہ 227

2۔ اخیار — ان کی تعداد پانچ سو سے سات سو تک ہوتی ہے۔ ان کو سیاح بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتے ہیں۔

3۔ نقباء — یہ تین سو ہوتے ہیں۔صوفیوں کے حساب سے ان سب کا نام علی ہوتا ہے۔

4۔ نُجباء — ان کی تعداد سات ہوتی ہے صوفیوں کے حساب سے ان سب کا نام حسن ہوتا ہے۔

5۔ ابدال — ان کی تعداد چالیس ہوتی ہے۔

6۔ ابرار — ان کو رجال الغیب بھی کہتے ہیں۔ان کی تعداد سات ہوتی ہے۔

7۔ اوتاد — ان کی تعداد چار ہوتی ہے۔ یہ دنیا کے چار کونوں میں ہوتے ہیں۔

8۔ عمائد — ان کی تعداد بھی چار ہوتی ہے۔ یہ بھی دنیا کے چار کونوں میں ہوتے ہیں۔

9۔ اقطاب — ان میں خاص بارہ ہیں۔ سات، سات اقلیموں میں رہتے ہیں اور پانچ شہر یمن میں رہتے یں۔قطب کو غوث بھی کہتے ہیں۔

10۔ مفرد — جب قطب یا غوث حقیقت فردانیہ تک پہنچ جاتا ہے تو وہ فرد بن جاتا ہے اسی لئے اسے مفرد کہتے ہیں۔

11۔ غوث الاعظم یا قطب وحدت — فرد ترقی کر کے غوث الاعظم کے مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔ اس کا صوفیانہ نام عبداللہ ہوتا ہے اس کو قطب الاقطاب، قطب المدار اور غوث الثقلین بھی کہتے ہیں۔ اس کے وزیروں ءکو ''امامین'' کہتے ہیں جن کی تعداد دو ہوتی ہے ایک دائیں اور ایک بائیں طرف۔غوث الاعظم دنیا میں ایک وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کے بہت سے اختیار ہوتے ہیں۔ باقی سب ولی اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو شریعت طریقت، حقیقت و معرفت کی تعلیم مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش مخفی اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ میں سے چار ہزار تو وہ ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں۔ وہ نہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے حال کی خوبی و جمال کو جانتے ہیں۔ ان کی حالت خود اپنے سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔'' [1]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ 312۔

شاہزادہ داراشکوہ اولیاءاللہ کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اولیاء اور مشائخ کی کتابوں سے یہ امر تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ اولیاءاللہ چار ہزار ہیں جن کو ''مکتومین'' یعنی پوشیدہ کہتے ہیں۔ آپس میں یہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور اپنے احوال کے محاسن وکمالات سے بے خبر ہیں اور تین سو دوسرے ہیں جو بارگاہِ ایزدی کے حاضر باش سپاہی ہیں۔ ان کو ''اخیار'' کہتے ہیں اور چالیس اولیاء ایسے ہیں جن کو ''جیون'' کہا جاتا ہے اور چالیس اور ہیں جو ''ابدال'' کہے جاتے ہیں۔ اور سات اولیاء اور ہیں جن کو ''ابرار'' کہتے ہیں۔ اور چار اولیاء کو ''اوتاد'' کہتے ہیں۔ اور تین اور ہیں جن کو ''نقباء'' کہا جاتا ہے اور ان پر دوسرے دو ہیں جو امام کہلاتے ہیں اور یہ دونوں امام ایک قطب کے دائیں اور بائیں جانب رہتے ہیں اور اس گروہ میں سے ایک کو ''قطب'' اور دوسرے کو ''غوث'' کہتے ہیں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور باہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔'' [1]

داتا گنج بخش اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''جو اولیاء بارگاہِ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لشکری اور مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے ہیں ان کی تعداد تین سو ہے ان کو ''اخیار'' کہتے ہیں اور چالیس وہ ہیں جن کو ''ابدال'' اور سات وہ ہے جن کو ''ابرار'' اور چار وہ ہیں جن کو ''اوتاد'' اور تین وہ ہیں جن کو ''نقباء'' اور ایک وہ ہے جسے ''قطب'' اور ''غوث'' کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء وہ ہیں جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور امور اور معاملات میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس پر مروی حدیثیں ناطق ہیں اور اہلِ سنت والجماعت کا ان کی صحت پر اجماع ہے۔'' [2]

مکتوبات امام ربانی کے حاشیے پر حضرت مولانا سید زوار حسین اولیاء کی تعداد اور ان کے مناصب کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] سفینۃ الاولیاء، صفحہ 24۔ [2] کشف المحجوب، صفحہ 313

''جاننا چاہئے کہ ابدال واقطاب واغواث وافراد واوتاد واخیار وابرار اورنقباء اولیاءاللہ کے اقسام ہیں۔ان میں سے بعض مخلوق سے پوشیدہ ہیں اورآپس میں ایک دوسرے کوبھی نہیں پہچانتے اوراپنے حال کی عمدگی کوبھی نہیں جانتے اوروہ چار ہزار ہیں اوران میں سے بعض اہلِ حل وعقد ہیں اوروہ بارگاہِ حق جل مجدہٗ کے سردار ہیں اوروہ تین سو ہیں جیسا کہ نفحات الانس میں بھی لکھا ہے۔امام احمد حنبل نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ابدال شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں۔جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کسی دوسرے آدمی کومقرر فرمادیتا ہے۔ان کے وجود کی برکت سے بارش برستی ہے۔اورانصاف حاصل کیا جاتا ہے اوران کی مدد سے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اوران کی برکت سے اہل شام سے عذاب لوٹا دیا جاتا ہے۔'' [1]

ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنی کتاب میں امام احمد اور طبرانی کی ایک حدیث یوں نقل کرکے لکھتے ہیں:

''میری اُمت میں ہمیشہ چالیس آدمی ایسے ہوں گے جن کے دل قلب ابراہیمی کی طرح ہوں گے اوران کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اہلِ زمین سے عذاب کو ہٹائے گا اوراُنہیں ابدال کہا جائے گا۔'' [2]

اسی طرح امام ابونعیم اور دیلمی کی روایت کو یوں نقل کرت ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہرصدی میں میری اُمت کے بہترین لوگ پانچ سو ہیں اورابدال چالیس ہوں گے پس نہ تو پانچ سو میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے اورنہ چالیس میں۔جب کبھی کوئی آدمی ان (چالیس) میں سے فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ سو میں سے کسی ایک کواس کی جگہ پر بدل دیتا ہے۔اوراُسے چالیس لوگوں میں شامل کردیتا ہے۔جوشخص ان پرظلم کرتا ہے

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ اول حاشیہ برمکتوب 4،صفحہ 42۔ [2] روضۃ السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین،صفحہ 158۔

وہ اسے درگذر فرماتے ہیں اور جوان کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور جو کچھ (رزق) اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے اس سے آپس میں ایک دوسرے کی دادرسی کرتے ہیں۔'' [1]

حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے ایک رسالے میں قطب واوتاد کے مقام اور مرتبے کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''جس ہستی کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اتنی بلند ترین ہوتی ہے کہ تمام اقطاب، اوتاد اور ابدال اس کے دائرہ ولایت میں آتے ہیں۔ افراد، احاد اور اولیاء کے تمام طبقے اسی کے انوارِ ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں وہ رسولِ اکرمؐ کی ولایت کا نائب ہوتا ہے۔ یہ وہ نسبت شریف ہے جو بہت نادر اور کم یاب ہے۔ یہ مقام مریدین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوتا ہے۔ اس مقام پر مرادین پہنچتے ہیں۔ مریدین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہی مقام ''مقامِ عظمیٰ'' ہے۔ یہی مقام غائتہ اولیٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی منصب ہے نہ بلندی ہے۔ اس کے آگے نہ کوئی مقامِ کمال ہے اور نہ کوئی منصبِ اکرام ہے۔ اگر آپ کو صدیوں بعد ایسا عارفِ کامل مل جائے تو یہ غنیمت جانو۔'' [2]

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے ایک اور رسالے میں قطب ابدال اور قطبِ ارشاد کے فیض کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قطب ابدال ان فیوض وبرکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو عالم کے وجود اور اس کے بقاء سے تعلق رکھتے ہیں اور قطب ارشاد ان فیوض وبرکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے ارشاد وہدایت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا پیدائش رزق رسانی، ازالۂ بلیات (مصائب کو دور کرنا) بیماریوں کو دور کرنا اور صحت وعافیت کا حصول قطبِ ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں اور ایمان وہدایت، توفیقِ حسنات اور گناہوں سے رجوع وتوبہ قطبِ ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہوتا

[1] روضۃ السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین، صفحہ 164۔ [2] رسالہ مبدء ومعاد، صفحہ 196۔

ہے۔قطبِ ابدال ہمیشہ اور ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے اور اس سے دنیا
کے خالی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' 1

یہ اولیائے کرام عارف بھی کہلاتے ہیں جو تقویٰ کا لباس پہنے ہوتے ہیں اور اُنہیں تقویٰ کا منبع بھی کہا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک حدیث یوں نقل کرتے ہیں:

''حضرت عمر بن خطابؓ حضور نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا
ہر چیز کی کوئی نہ کوئی کان ہوتی ہے (مخفی خزانہ) اور تقویٰ کی کان عارفوں کے دل
ہوتے ہیں۔'' 2

اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو کرامات سے نوازا ہے۔ان کی شان بہت بلند ہے۔ان کی باتوں میں تاثیر اور قلب میں نور الٰہی کی دولت پوشیدہ ہوتی ہے۔اس سلسلے میں حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ اور کرامت ''ہنوز دلی دور است'' یہاں اولیاء کی شان کے ثبوت میں تحریر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

''سلطان علاء الدین خلجی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک بادشاہ
بنا وہ خسرو خان کے ہاتھوں قتل ہوا اور خسرو خان کو شکست دے کر غیاث الدین
تغلق نے اقتدار پر قبضہ کیا۔غیاث الدین تغلق محبوب الٰہی حضرت نظام الدین
اولیاء کو نہیں مانتا تھا اور ان سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ بادشاہ نے چاپلوسوں اور
امراء کی باتوں میں آ کر محبوب الٰہی کو بُلا وا بھیج دیا کہ بادشاہ چونکہ اولی الامر ہے
اس لئے آپ دربار میں آ کر اطاعت کا اظہار کریں۔محبوب الٰہی نے جواب
ارسال کیا کہ فقیر نے علاؤ الدین خلجی جیسے بادشاہ کے دربار میں کبھی حاضری نہیں
دی اور نہ ہی اُنہیں کبھی اپنی خانقاہ میں مِلا ہوں۔فقیر اپنی خانقاہ میں رہتا ہے میرا
درباروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن غیاث الدین تغلق کا اصرار بڑھتا گیا۔
مسئلہ کو ٹالنے کی کئی امیروں نے کوشش بھی کی اور طے پایا کہ محبوب الٰہی کو چاند
رات میں دربار میں حاضری دینے کے لئے آمادہ کریں گے۔ یہ خبر محبوب الٰہی کو

1 رسالہ معارف لُدنیا، صفحہ 320۔ 2 روضۃ السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین، صفحہ 154

پہنچی اور اللہ سے دست بہ دعا ہوئے کہ بادشاہوں کے دربار میں حاضری نہ دینی پڑے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ بنگال میں بغاوت ہوئی اور بادشاہ خود اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے بنگال چلے گئے اور واپس دہلی کی طرف روانہ ہونے کی خبر محبوب الٰہی کو جب پہنچی تو محبوب الٰہی اور اُن کے مریدین پریشان ہو گئے سب اِسی فکر میں تھے کہ بادشاہ واپس آ رہا ہے لیکن مشیتِ الٰہی اور محبوب الٰہی کی دعاؤں نے بھی تاثیر دکھانی شروع کی۔ مریدین کو پریشان دیکھ کر محبوب الٰہی فرمانے لگے "ہنوز دلی دور است" بادشاہ غیاث الدین تغلق جب دریائے جمنا تک آ گیا تو لوگ اور درباری اس کے استقبال کے لئے نئے تعمیر شدہ محل کے پاس منتظر تھے۔ جب بادشاہ وہاں پہنچا اور نئے محل میں جشنِ فتح بنگال منانے میں مصروف ہوئے تو اچانک محل کی چھت بادشاہ پر گر گئی اور وہ مر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی لاج رکھ لی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق تخت نشین ہوا جو محبوب الٰہی کا عقیدت مند تھا لیکن وہ بھی کچھ دن بعد ہی فوت ہوا۔" [1]

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے اور جو طاقت اللہ نے اولیاء اللہ کو بخشی ہے اس کے سامنے بادشاہوں کے لشکر و سپاہ کچھ معنی نہیں رکھتے ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال نے بھی کہا ہے ؎

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے — جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

اللہ کی عطا سے اولیاء اللہ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ کمان سے پھینکے ہوئے تیر کو واپس کر لیتے ہیں۔ مولانا رومی کہتے ہیں ؎

اولیاء را ہست قدرت از الاہ — تیر جستہ باز گرد انند ز راہ

ایک اور جگہ مولانا رومی اولیاء اللہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں ؎

خاصانِ خدا، خدا نہ باشند
لیکن زخدا جُدا نہ باشند

---

[1] مقالہ از مشیر الحق مجلّہ ہندوستان میں تصوف، صفحہ 68

فقرِ محمدی ﷺ

لغت میں فقر کے معنی ہیں مفلسی، تنگدستی، افلاس، غریبی، محتاجی، درویشی اور قلندری۔ اکثر لوگ اس سے تنگ دستی اور مفلسی مراد لیتے ہیں لیکن طریقت میں فقر سے وہ راہ یا طریق مراد ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان سے تمام حجابات کو ہٹا کر بندے کو اللہ کے دیدار اور وصال سے فیضیاب کراتا ہے۔ صوفی اور اہلِ طریقت وہ لوگ ہیں جو روحانی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں ظاہری علائق زندگی ختم کر دیتے ہیں۔ تصوف کا نظامِ حیات فقر کی اساس پر قائم ہے۔ تصوف میں جن مقامات کو تزکیہ نفس کی روح قرار دیا جاتا ہے ان میں فقر کا مقام اشرف اور اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے۔ فقر کے معنی ہیں مال و اسباب نہ ہونا اور تنگدستی کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا۔ شیخ ابن الجلاء فقر کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ''فقر یہ ہے کہ تیرے لئے کچھ نہ ہو اور جو کچھ تیرے پاس ہو اس کو تُو ایثار کر دے اور تیرے پاس کچھ باقی نہ رہے''۔ 1

حضرت علی ہجویری اپنی کتاب میں یوُں لکھتے ہیں:

> ''فقر و صفوت کے درمیان معنوی فرق ہے لیکن معاملات کے اعتبار سے فقر و صفوت دنیا سے کنارہ کشی کا نام ہے اور یہ کنارہ کشی بجائے خود ایک چیز ہے اور اس کی حقیقت فقر و مسکینی میں مضمر ہے۔'' 2

---

1 عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی، صفحہ 658۔ 2 کشف المحجوب علی ہجویری

ڈاکٹر غلام قادر لون لسان العرب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عربوں کے نزدیک فقر سے مراد محتاجی اور مال کی عدم ملکیت ہے۔''

اصل میں فقر کا مطلب یہ ہے کہ انسان تمام آسائش و آرائش اور مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود درویشانہ زندگی بسر کرے اور دولت جمع کرنے پر ایثار کو ترجیح دے۔ اہلِ طریقت نے مال و دولت سے کنارہ کشی کر کے اپنی مرضی سے فقر اختیار کیا جس میں خودداری کے ساتھ غِنا کا بھی مفہوم شامل ہے اور فقیر سے ایک خوددار باضمیر انسان مراد لئے جاتے ہیں۔ فقراء کے بارے میں حضرت سلطان باہو یوں رقمطراز ہیں:

''فقراء تارک الدنیا، فارغِ عقبٰی، صاحب ذکر وفکر اور خُلقِ مجسم اور فدائے آنحضرتؐ اور غریقِ دنیائے وحدت و معرفت کے ہوتے ہیں۔'' 1

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شیخ یحییٰ بن معاذ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقر کی حقیقت یہ ہے کہ درویش اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز رہے بلکہ اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کے لئے عالمِ اسباب کے تمام اسباب معدوم ہو جائیں۔'' 2

فقیر کے بارے میں شیخ مسوحی کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

''فقیر وہ ہے جس کو نہ نعمتیں خوشحال کر سکیں اور نہ تکالیف اس کو محتاج و فقیر بنا سکیں۔'' 3

اسی طرح شیخ ابوبکر بن طاہر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقیر کی کوئی خواہش اور رغبت نہیں ہوتی اور اگر کوئی رغبت ہوتی بھی ہے تو وہ حدِ ضرورت سے تجاوز نہیں کرتا۔'' 4

''فقر عزت کا لباس، انبیاء کا پہناوا، صالحین کا پیرہن متقین کا تاج، مومنین کا جمال، عارفین کا سرمایہ، مُریدین کی آرزو، اطاعت گذاروں کا قلعہ، گنہگاروں کا

1 محک الفقراء کلاں، صفحہ 57-56۔ 2 عوارف المعارف (اُردو) صفحہ 659۔

3 عوارف المعارف اردو، صفحہ 659 4 ایضاً، صفحہ 659۔

زندان گناہوں کا مٹانے والا، نیکیوں کو بڑھانے والا، درجات بلند کرنے والا، منزل تک پہنچنے والا، اللہ کی خوشنودی کا باعث اور بندوں کی عزت کا باعث ہے۔'' 1

مولانا تطہیر احمد بریلوی اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں:

''صوفی حضرات کو فقیر یا درویش بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات مال و دولت کو جمع نہیں فرماتے اور فقر و فاقہ کے ساتھ سادگی، بے نوائی اور مفلسی کی زندگی گذارتے ہیں...... عموماً مال و دولت حاصل ہو جانے کے بعد آدمی بداخلاقی، تکبر، گھمنڈ بدکاری، ظلم و زیادتی کی آفات و مہلکات میں مبتلا ہو جاتا ہے کم از کم اتنا تو کثیر الوقوع ہے کہ استغراق فی العبادت اور نمازوں میں حضوری قلب کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا ارباب تصوف اور بزرگانِ دین نے مال کے فتنے سے بچنے کے لئے اور اس خطرے کے پیشِ نظر کہ دولت کی محبت یادِ خدا سے غافل نہ کر دے مال کو جمع کرنے سے گریز کیا اور عشرت کے بجائے عسرت، فراخی کے بجائے تنگ دستی اور سادگی کی زندگی کو اختیار فرمایا۔ خود محبوب خدا محمد مصطفیؐ کی شان بھی یہی رہی۔'' 2

صوفی کہتے ہیں کہ فقراء تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ فقیر جس کے پاس اسباب زندگی میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا اور وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ دوسرا وہ طبقۂ فقراء ہے جو کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے نہ بلا واسطہ نہ بالواسطہ کسی سے مانگتے ہیں البتہ کوئی کچھ دے تو لے لیتے ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو نہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں اور نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں البتہ اپنے ہم منصب اور ہم مسلک بھائی سے مانگ لینے میں کوئی برائی نہیں سمجھتے۔

ابونصر سراج حضرت ابراہیم الخواص کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

''فقیر صادق کی پہچان یہ ہے کہ وہ شکایت زبان پر نہیں لاتا اور مصائب کے اثرات کو ظاہر نہیں کرتا۔ ایسے مقام پر صدیقین فائز ہوتے ہیں''۔ 3

حضرت ابوبکر طوسی برسوں تک یہ سوال لوگوں سے پوچھتا رہا کہ آخر فقراء ہر چیز پر کیوں

---

1 کتاب اللمع، صفحہ 85-84۔ 2 تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، صفحہ 41۔ 3 کتاب اللمع، صفحہ 86

فقر اختیار کرتے ہیں مگر کہیں سے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملا اور بالآخر انہوں نے نصر بن الحمامی سے پوچھا اوران کے جواب سے مطمئن ہوئے۔ اُن کا جواب فقر کے بارے میں یوں تھا:

''فقراء ہر چیز پر اس لئے فقر اختیار کرتے ہیں کہ فقر منازلِ توحید میں سے پہلی منزل ہے۔'' [1]

حضور نبی اکرمؐ کی زندگی درویشی اور فقیری کا اعلیٰ نمونہ تھی اگر چہ آپؐ بادشاہِ دین ودُنیا تھے مگر وہی معمولی جھونپڑا، وہی پیوند لگا لباس، وہی معمولی غذا اور وہی درویشانہ زندگی سبحان اللہ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''ایک بار میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا آپؐ ایک بوریا پر تشریف فرما تھے۔ بوریے پر کوئی فرش نہ تھا۔ آپؐ کے سرہانے ایک چمڑی کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، رکھا تھا۔ پائتین سِلم کے پتوں کا ڈھیر لگا تھا اوپر چند کچے چمڑے لٹک رہے تھے (بس یہی گھر کا سامان تھا) آپؐ کی پسلیوں پر بوریے کا نشان پڑ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں یہ حال دیکھ کر میں رونے لگا۔ آپؐ نے پوچھا روتے کیوں ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ایران اور روم کے بادشاہ تو ایسے پُر تکلف سامان اور آرام میں ہوں اور آپؐ اللہ کے رسول ہوکر اس حال میں رہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو اس پر راضی نہیں ہے ان کو دنیا کا چین ملے اور ہم کو آخرت کا آرام ملے۔'' [2]

حضورؐ فقر کو دوست رکھتے تھے اس لئے فرماتے ہیں:

''میرے دو دوست ہیں جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جس نے ان دونوں سے بغض کیا مجھ سے بغض کیا۔'' (فقر اور جہاد)

امام غزالی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی طرف وحی بھیجی مجھے ٹوٹے دل والوں کے پاس تلاش کرو، اُنہوں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا سچّے فقیر۔'' [3]

---

[1] کتاب اللمع مترجم اسرار بخاری، صفحہ85۔ [2] صحیح بخاری شریف اردو حصہ دوم، صفحہ46۔ [3] المرشد الامین، صفحہ 237۔

مولانا تطہیر احمد بریلوی فقر و درویشی سے متعلق احادیث کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''فقر و درویشی سے متعلق احادیث کتب صحاح میں اس قدر کثرت سے آئی ہیں کہ جن کا شمار کرنا قریب ناممکن ہے۔ مسلم شریف میں مستقل ابواب پر مشتمل کتاب الزہد اور کتاب الذکر کی سینکڑوں احادیث اور بخاری شریف میں کتاب الرقاق باب فضل الفقر اور کیف کان عیش النبیؐ واصحابہ اور مشکواۃ شریف میں باب فضل الفقراء، باب الامل والحرص، باب التوکل والصبر وغیرہ میں مذکورہ بے شمارہ حدیثیں فقر و درویشی، تصوف، مجاہدہ و ریاضت و نفس کشی کی تعلیمات سے مالا مال ہیں جن کی طرف سے آنکھیں پھیر کر تصوف کی مخالفت کرنا اور فقراء و درویشوں کی مبارک زندگیوں پر لعن طعن کرنا ان ہی کا کام ہے جن کا ایمان رخصت ہو چکا ہو۔'' [1]

مولانا صاحب ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

''احادیث سے ظاہر ہے کہ رحمت عالمؐ نے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کے بجائے فقر و فاقہ کی زندگی کو پسند فرمایا تھا اور سرکارؐ کی اس مبارک زندگی کا انداز اپنانے والے صوفی اور ان کی یہ روش تصوف کہلاتی ہے۔'' [2]

حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ ایک حدیث صحیح بخاری شریف جلد سوم میں درج ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ:

''عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، میں نے بہشت میں جھانکا، کیا دیکھتا ہوں۔ وہاں وہ لوگ زیادہ ہیں جو دنیا میں فقیر اور محتاج تھے اور دوزخ میں بھی جھانکا وہاں عورتیں بہت تھیں۔ اس حدیث کو صخر بن جویریہ اور حماد بن نجیح دونوں نے ابورجاء سے اُنہوں نے عباس سے روایت کیا ہے۔'' [3]

اسی وجہ سے تصوف میں فقر کو افضل مقام سمجھا جاتا ہے کیونکہ صوفی حضرات فقر کو خدا تک

---

1. تصوف قرآن و حدیث کی روشنی میں، صفحہ 44۔ 2. ایضاً، صفحہ 48
3. صحیح بخاری شریف مترجم علامہ وحید الزماں، جلد سوم، صفحہ 574۔ حدیث 1369۔

پہنچے کا بہترین وسیلہ تصور کرتے ہیں اور فقراء کو صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں شمار کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ فقراء کی وجہ سے ہی مخلوقِ خدا کی حفاظت فرماتا ہے اور انہی کی برکتوں سے لوگوں کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مکاشفۃ القلوب میں امام محمد الغزالی لکھتے ہیں:

> ''حضورؐ سے مروی ہے قیامت کے دن ایک بندے کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس طرح معذرت کرے گا جیسے دنیا میں ایک شخص دوسرے سے معذرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ مجھے میری عزت اور جلال کی قسم میں نے تجھ سے دنیا کو تیری بے قدری کی وجہ سے نہیں پھیرا تھا بلکہ اس عزت اور کرامت کے سبب جو میں نے تیرے لئے تیار کی تھی تجھے دنیا سے محروم رکھا۔ اے میرے بندے، لوگوں کی ان جماعتوں میں جاؤ، جس کسی نے بھی میری رضا مندی کی خاطر تجھے کھلایا پلایا، لباس پہنایا، اس کا ہاتھ پکڑلو، وہ تمہارا ہے، لوگ اس دن پسینہ میں غرق ہوں گے اور وہ صفوں کو چیرتا ہوا اُن کو تلاش کر کے جنت میں لے جائے گا۔'' 1

مولانا محفوظ الحسن سنبھلی لکھتے ہیں کہ فقیر مالدار کے لئے دھوبی، طبیب، قاصد محافظ اور شیخ کی حیثیت رکھتا ہے اور یوں تشریح فرماتے ہیں:

''۱۔ مالدار فقیر کو صدقہ دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا مال پاک وصاف ہو جاتا ہے، گویا فقیر نے مالدار کو دھو کر پاک وصاف کر دیا۔

۲۔ فقیر کو صدقہ دینے سے مالدار کو شفا حاصل ہوتی ہے (طبیب کا کام مریض کے لئے شفا کی تدبیر کرنا ہی ہے)

۳۔ مالدار، فقیر کو صدقہ دے کر اپنے مرحوم رشتہ داروں کو ثواب پہنچاتے ہیں (فقیر نہ ہوتے تو کس کے ذریعے مردوں کو ثواب پہنچاتے)

۴۔ مالدار کے صدقہ دینے پر فقیر اس کے لئے دعا کرتا ہے جس سے اس کے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔

1 مکاشفۃ القلوب مترجم مولانا تقدیس علی خاں، صفحہ 366

۵۔ میدان محشر میں فقیر اپنے محسن مالدار کی بخشش کے لئے سفارش کرے گا (مالدار ان کو فقیروں کا احسان مند ہونا چاہئے۔'' 1

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے آنحضرتؐ مدینے میں تشریف لائے وفات تک کبھی تین رات برابر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔'' 2

بخاری شریف میں ایک اور حدیث ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا امیری اور تونگری بہت مال و اسباب سے نہیں ہوتی بلکہ دل کے غنی ہونے سے۔'' 3

اسی معنی میں فارسی میں کہتے ہیں ؎

تونگری بہ دل است نہ بہ مال
بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال

مولانا محفوظ الحسن سنبھلی فقیہہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ احادیث میں غریبوں او فقیروں کی پانچ خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

''1۔ فقیر کو ہر عمل کا ثواب مالدار سے زیادہ ملتا ہے (اگر چہ عمل دونوں کا یکساں ہو)

2۔ فقیر غربت کی وجہ سے اپنی کسی تمنا کو پورا نہیں کر پاتا تو اس پر اس کو اجر ملتا ہے (بشرطیکہ صبر کرے)

3۔ فقیر جنت میں مالدار سے پہلے جائے گا (چاہے عمل میں دونوں برابر ہوں)

4۔ آخرت میں فقیر کا حساب آسان ہوگا (مالی معاملات میں غریب سے حساب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

5۔ قیامت میں مالدار کے مقابلہ میں فقیر کو شرمندگی کم ہوگی (اس وقت مالدار کہیں گے کاش ہم بھی غریب ہوتے)'' 4

جناب سنبھلی نے اپنی کتاب میں فقراء کی برتری کے بارے میں ایک حدیث درج کی

---

1 روضۃ الصالحین، جدوم دوم، صفحہ 29۔ 2 صحیح بخاری شریف، حدیث 1374، صفحہ 577، مترجم علامہ وحید الزماں۔
3 ایضاً، حدیث 1366، صفحہ 574، جلد سوم۔ 4 روضۃ الصالحین، صفحہ 28-27۔

ہے جس کا مفہوم یوں ہے:

''رسول اللہؐ نے فرمایا، ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ ہے، میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔ فرمایا اللہ کے محبوب ترین بندے فقراء وغرباء ہیں اسی لئے اکثر انبیاء دولت مند نہ تھے۔'' 1

ڈاکٹر محمد عبدالحی مؤلف تاریخ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فقیری اس لئے اختیار نہیں کی کہ اُن کے پاس مال واسباب کی کمی تھی بلکہ جذبۂ ایثار کے تحت ایسا کیا تاکہ اُمت کو مال ودولت سے محبت نہ ہو جائے۔ لکھتے ہیں:

''آپؐ اور آپؐ کے ساتھی بھوک پیاس کی سختیاں بہ اختیار خود اس لئے برداشت کرتے تھے کہ دوسروں کے لئے ایثار اور جان نثاری کا جذبہ پیدا ہو۔ دنیاوی مال ومنال اور عیش وراحت سے نفرت اور بے زاری کا اظہار کیا جائے کیونکہ دنیاوی ساز وسامان اور عیش عشرت انسان کو خدا کی یاد اور حق کی حمایت سے غافل بنا دیتی ہے۔'' 2

ابوامامہؓ کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

''ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا۔ میرے رب نے محمدؐ سے کہا کہ اے نبی اگر تم چاہو تو تمہارے لئے وادی مکہ سونے کی بنادی جائے۔ میں نے عرض کیا نہیں پروردگار میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں۔ جس دن بھوکا رہوں تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس دن سیر ہو کر کھانا کھاؤں دل کی گہرائی سے تیرا شکر اور تیری تعریف کروں۔'' 3

فقراء کے مقام کے بارے میں حضرت سلطان باہوؒ لکھتے ہیں کہ فقر کی وجہ سے فقراء کو چار مقام حاصل ہوتے ہیں جو اوروں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔ وہ ہیں:

''اوّل مقام اُن کا دل ہے جس کو وہ ہمیشہ خدا کے ساتھ مشغول رکھتے ہیں۔ دوسرا

1 روضۃ الصالحین، صفحہ ۔ 2 اسوۂ رسولِ اکرمؐ، صفحہ 76۔ 3 ایضاً بحوالہ فتح الباری، صفحہ 77۔

مقام اُن کا سکوت ہے کہ ہر ایک کے سامنے وہ اپنی زبان نہیں کھولتے ہیں بلکہ جو واردات ان پر پڑتی ہیں وہ ساتھ حق کے ضبط کرتے ہیں۔

تیسرا مقام اُن کا مسجد ہے جہاں شیطان کا گذر نہیں ہوتا۔

چوتھا مقام اُن کا قبر ہے جہاں وہ آسودہ ہوتے ہیں۔

اور بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مقام قبر قیامت کی حقیقت کا دریافت کرنے کا نام ہے۔'' [1]

علامہ اقبال نے فقر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اُنہوں نے فقر کی شان اور اس کے مقام کے بارے میں اگرچہ پیام مشرق اور زبور عجم میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن فقر کی تشریح پہلی دفعہ اُنہوں نے ''جاوید نامہ'' میں کی ہے جو 1932 میں شائع ہوا۔

فقرِ قرآن اختلافِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جُز بہ ذکر

علامہ لفظ ''فقر'' سے کتنا پیار کرتے تھے اور اُنہیں اس لفظ کی وضاحت کیوں کرنی پڑی یہ الگ بحث ہے جس کے لئے ہفتا دمن کاغذ درکار ہیں البتہ اس لفظ کے ساتھ اُن کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ فقر میں مسلمانوں کی نجات اور کامیابی دیکھتے تھے اسی لئے مسافر بال جبریل، ضرب کلیم، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز میں بھی فقر کے اوصاف اور اس کی افادیت پر بہت کچھ لکھا۔ اُن کو پورا اندازہ تھا کہ مسلمان اس اصطلاح کے مفہوم سے بیگانہ ہیں اسی لئے بار بار وہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ مومن، فقر سے تسخیر کائنات کرسکتا ہے اور اس کی وجہ سے اُس میں الٰہی صفات پیدا ہو سکتے ہیں:

فقرِ مومن چیست؟ تسخیر جہات بندہ از تاثیر اُو مولٰی صفات

اُن کی نظر میں حضورؐ کائنات میں الٰہی صفات کے سب سے بڑے مظہر ہیں یعنی فقر کی شان حضورؐ کی ذاتِ گرامی میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے اور آپؐ کے وسیلے کے بغیر مومن مولٰی صفات'' نہیں بن سکتا اور کہتے ہیں:

---

[1] محک الفقراء کلاں، صفحہ 62

" از تُو بالا پایۂ ایں کائنات
فقرِ تو سرمایہ ایں کائنات
درجہان شمع حیات افروختی
بند گان را خواجگی آموختی [1]

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ اسلام انسان میں ایسا فقر پیدا کرتا ہے جس میں مسکینی لاچاری اور ناداری نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کے لئے غیرت ہوتی ہے۔ اسلام مسلمان سے جس فقر کا تقاضا کرتا ہے بالِ جبریل کی نظم "فقر" میں علامہ نے اس پر روشنی ڈالی ہے:

اِک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اِک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اِک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اِک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اِک فقر سے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری [2]

حضرت سفیان ثوریؒ جو کہ ایک خدا رسیدہ صوفی ہوگذرے ہیں، کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ فقیروں سے بے پناہ محبت کرتے تھے کیونکہ اُن کی نظر میں یہ فرمان رسول تھا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس ضمن میں امام محمد الغزالی نے جناب مُوملؒ کا قول اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے:

"میں نے حضرت سفیان ثوریؒ کی مجلس میں فقیر سے زیادہ عزت اور مالدار سے زیادہ ذلیل کسی کو نہیں دیکھا۔" [3]

حضرت عمرؓ سے روایت ہے:

"حضورؐ نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کلید ہوتی ہے اور جنت کی چابی فقراء اور

---

[1] رموز بیخودی یوسف سلیم چشتی، صفحہ 407۔ [2] بحوالۂ اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات از محمد بدیع الزماں، صفحہ 234
[3] مکاشفۃ القلوب مترجم تقدیس علی خاں، صفحہ 269۔

مساکین کی محبت ہے۔اپنے صبر کی وجہ سے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے۔'' 1

حضرت معاذ بن رازیؒ نے فقر کی اچھے الفاظ میں تعریف کی اس کا مفہوم ڈاکٹر عبیداللہ فراہی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے جو یوں ہے:

''اس کی حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ کو اپنے حق میں کافی سمجھا جائے اور اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ تمام اسباب معدوم ہو جائیں''۔ 2

سید خورشید احمد گیلانی کا خیال ہے کہ فقر صرف ترکِ دنیا اور اپنے نفس کو خواہ مخواہ دُکھ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ اصل فقر دراصل غناء کا دوسرا نام ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''فقیر کی اصل متاع دنیا کا ترک اور اس سے علیحدگی نہیں بلکہ دل کو اس کی محبت سے خالی اور بے نیاز کرنا ہے۔فقر وہ ہوتا ہے جو متاعِ دنیا سے بالکل بے نیاز ہو۔اس کے پاس خواہ سرے سے کچھ موجود نہ ہو یا اس کے پاس دنیا کے سارے اسباب موجود ہوں دونوں میں سے کسی حالت میں کوئی خلل نہ آئے۔ کسی چیز کے مفقود ہونے پر اُسے پریشانی لاحق ہو اور نہ جملہ اسباب موجود ہونے پر وہ اپنے آپ کو دولت مند محسوس کرے۔'' 3

مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک فقر وغنا کا راز صبر اور شکر میں پوشیدہ ہے اس بارے میں وہ حضرت یحییٰ بن معاذ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عزیز وکل قیامت میں نہ غنی کا کوئی وزن ہوگا نہ فقیری کا بلکہ درحقیقت وزن تو صبر وشکر کا ہے یعنی اگر غنی پر شکر اور فقر پر صبر کیا جاوے تو دونوں محمود ہیں ورنہ جس طرح شکر نہ کرنے کی صورت میں غنی مذموم ہے ایسے ہی صبر نہ کرنے کی صورت میں فقر بھی سودمند نہیں پس فضیلت فقر کا راز صبر ہے۔'' 4

مولانا محفوظ سنبھلی حضرت شقیق الزاہد کے خیالات کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1 مکاشفۃ القلوب مترجم تقدیس علی خاں،صفحہ 271۔ 2 تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ،صفحہ 26۔

3 بحوالہ کشف المحجوب روح تصوف،صفحہ 166۔ 4 روحِ تصوف مترجم مولانا مفتی محمد شفیع،صفحہ 44

''فقیروں نے اپنے لئے راحتِ نفس، فراغتِ قلب، خفتِ حساب اور مال داروں نے مشقتِ نفس، اشتغالِ قلب اور شدید حساب کو پسند فرمایا۔ مال کی قلت، دنیا میں نفس کی راحت، قلب کے سکون اور آخرت میں حساب کی آسانی کا سبب ہوگی اور اس کی زیادتی دنیا میں مشقت و پریشانی، مشغولیت اور آخرت میں حساب کی سختی کا سبب ہوگی۔'' [1]

فقیر کے زیرِ نظر یہ فرمانِ الٰہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا کی چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا ہے اور مال و دولت پر فقر کو ترجیح دیتا ہے:

''قُل متاعُ الدُّنیا قَلیلٌ'' یعنی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے۔'' [2]

علامہ اقبال کے بقول یہ دنیا اور یہاں کی مال و دولت اور حشمت و جاہ سب دھوکہ ہے اور ان کی پرستش چھوڑنی چاہئے کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں ؂

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود وزیاں لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ

حضرت سلطان باہوؒ فقر کی اہمیت کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرمؐ حضرتِ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر دستک دی اور حضرت فاطمہؓ نے اندر سے آواز دی یا رسول اللہؐ آپ باہر ہی رہیں کیونکہ میں ننگی بیٹھی ہوں اور میرے پاس پہننے کو کپڑے نہیں ہیں تو حضورؐ نے رِدائے مبارک اُتار کر حضرت فاطمہؓ کی طرف پھینکی اور آپؐ کے پاس اس قدر کپڑا باقی رہ گیا کہ اگر سر کی جانب کھینچتے تو زانو کھل جاتے اور اگر زانو کی طرف کھینچتے تو سر کھل جاتا۔ پس حضرتؐ اسی پارچہ میں سکڑے ہوئے آکر بیٹھے اور حضرت فاطمہؓ کی فقر و فاقہ کی حالت دیکھ کر متفکر ہوئے اور فرمایا اے خاتونِ جنت خدا نے مجھے اتنی طاقت بخشی ہے کہ اگر نظر کروں تو تمام در و دیوار سونے اور چاندی کے ہو جائیں، اگر چاہو گی تو نظر کروں اور تم کو دنیا کی چیزیں دے دوں لیکن حضرت فاطمہؓ نے قبول نہیں کیا اور عرض کی:

---

[1] روضۃ الصالحین، صفحہ 30، جلد سوم۔ [2] سورہ النساء۔

''یا رسول اللہؐ فقرِ محمدیؐ اور فاقہ میں ہم کو مزا ملتا ہے، یہ فقر فیض اور خزانۂ خدا تعالیٰ کا ہے، کسی کو نہیں ملتا سوائے مقربوں اور دوستوں خدائے تعالیٰ کے، پس آنحضرتؐ نے توجہ کی نظر سے حضرت خاتونِ جنت سے فرمایا کہ اے خاتون جنت تو فقر ہے اور فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔'' 1

''الفقرُ فخری'' اس بات پر گواہ ہے کہ حضورؐ کو فقر سے محبت تھی اور مولانا رومی نے اسی لئے کہا ہے کہ اے فقیر اور صوفی فقر گپ اور مجاز نہیں ہے کیونکہ الفقر فخری تو حضورؐ نے فرمایا ہے اور اس فقر میں لاکھوں عزتیں اور راز پوشیدہ ہیں لہٰذا فقر کی قدر کرنی چاہئے ؎

''فقر فخری'' نز گزاف است و مجاز

صد ہزاران عز پنہاں است و ناز 2

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس فقر کی تلقین فرمائی ہے وہ مست ہو کر ناچنے گانے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر لمحہ زندگی کا احتساب کرنے کا نام ہے۔ فقر غاروں اور جنگلوں میں سکون تلاش کرنے کا نام نہیں بلکہ بحر و بر میں ہلچل مچانے کا نام ہے۔ قرآن مجید کا فقر اختیار کرنے والے غلام بھی آقا کی سی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنے اندر فقرِ محمدیؐ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے تو تخت و تاج کے مالک بڑے بڑے شہنشاہ بھی اس کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

با سلاطین درفتد مردِ فقیر

از شکوہِ بوریا لرزرد سریر

فقر ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ یہ حضرتِ رسولِ اکرمؐ کی میراث ہے اور ہم اس کے اُمتی ہونے کے ناطے اس وراثت کے وارثِ جائز اور امین ہیں۔ علامہ اقبال اسی لئے کہتے ہیں ؎

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست

ما امینیم این متاعِ مصطفیؐ است

---

1 محک الفقراء کلاں، صفحہ 242۔ 2 مثنوی مولائے روم، جلد اوّل، صفحہ 254

فقر دراصل روحانیت کی معراج اور کمال ہے۔حضور نبی اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین، خاتم المرسلین، امام الانبیاء، مراد المشتاقین، راحت العاشقین اور دیگر بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا لیکن اتنے کمالات اور اوصافِ حمیدہ ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی کسی بھی خوبی پر کبھی فخر کا اظہار نہیں کیا۔آپؐ نے صرف اور صرف فقر پر فخر اور ناز فرمایا جو ''الفقر فخری'' والی حدیث شریف سے واضح اور ثابت ہوتا ہے۔علامہ اقبال اِسی لئے فقر کو مسیح وکلیم اور دانائے راہ کہتے ہیں ؎

علم فقیہ وحکیم فقر مسیح وکلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ

(بال جبریل)

اگر اس بات پر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ فقر کچھ مل جانے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر کا نام ہے۔فقر پر تنگدستی اور مفلسی سے کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی مرفہ الحالی کی وجہ اس پر کوئی فرق پڑتا ہے۔کیونکہ فقر پر مال واسباب نہ ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کا براہِ راست رابطہ قلب اور دِل کے ساتھ ہے۔اس بارے میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں:

''حضرت ایوبؑ کا فقر، حضرت سلیمانؑ کے غنا کی مانند ہے۔حضرت ایوبؑ کی پختگی صبر پر فرمایا ہے''نعم العَبُدُ'' (کیا ہی اچھا بندہ ہے) اور حضرت سلیمانؑ سے اُن کی حکومت کے وقت فرمایا''نعم العبدُ'' (کیا ہی اچھا بندہ ہے) جب اللہ کی رضا حاصل ہوگئی تو اب فقر ایوبؑ غنائے سلیمان کے مانند بن گیا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے فقیروں کی شان فقر کی وجہ سے بادشاہوں سے بھی زیادہ بلند کی ہے کیونکہ تاریخ میں ایسے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں جہاں بادشاہ فقیروں کی چوکھٹ پر بھیک مانگتے نظر آرہے ہیں۔سلطان محمد جلال الدین اکبر اعظم کی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ساتھ عقیدت کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

''اکبر سال بہ سال اجمیر جاتا، کوئی مُہم ہو یا اس کے علاوہ بھی ایک منزل سے

---

1. کشف المحجوب مترجم غلام معین الدین نعیمی، صفحہ 56۔

پیادہ جاتا اور بعض منتیں (خصوصاً جہانگیر کے تولد سے پہلے) تو ایسی بھی ہوئیں کہ فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پیادہ گیا۔'' 1

شیخ سلیم چشتی سے اکبر بادشاہ کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلیم کی پیدائش کے بعد اکبر نے فتح پور کی شاندار عمارتیں بنوائی اور یہ معمولی گاؤں بادشاہ کا دارالخلافہ بنا۔ اس بارے میں خورشید احمد گیلانی لکھتے ہیں:

''خانقاہِ شیخ کو روحانی وعرفانی چشمہ جان کر وہاں ایک شہر تعمیر کروایا چنانچہ 1571ء میں فتح پور کی شاندار عمارتیں بنی شروع ہوئیں اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہِ ہند کا پائے تخت ہو گیا۔'' 2

اسی طرح سینکڑوں اور بھی مثالیں ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ مرمریں محلوں سے اُکتا کر کئی بادشاہ گھاس پھوس کی جھونپڑی میں آ کر سکون قلب کی دولت حاصل کر کے غلام غلامانِ آلِ محمدؐ بن کر فخر محسوس کرنے لگے۔

ان صاحب دل فقیروں نے کبھی کسی بادشاہ کے در پر نہ ستک دی اور نہ ہی دامن پھیلایا۔ وہ اپنی جھونپڑی کو قصرِ سلطانی اور ٹاٹ کی ٹوپی کو تاجِ شاہی سے کمتر نہیں سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے فقر کو نہیں بیچا بلکہ غریبی میں نام پیدا کیا۔ بوریہ نشینی کو تخت طاؤس سے افضل اور بہتر سمجھا اور لوگوں کے دِلوں پر حکومت کی۔ فقر کی دولت کو گنجینۂ شاہی اور خرقۂ رنگارنگی کو خلعتِ سلطانی سمجھ کر فقر کی لاج رکھی۔ ایسے ہی فقیروں کے لئے علامہ اقبال جیسے جلیل القدر شاعر، فلسفی، عالم اور دانشور نے اپنی عقیدت کے پھول یوں نچھاور کئے ہیں ؎

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

علامہ ان فقیروں کی فقر کو میروں کا میر اور شاہوں کا شاہ سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر وسپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

---

1 روح تصوف خورشید احمد گیلانی، صفحہ 147۔ 2 ایضاً ص 148

مولانا رومی بھی فقر کو باعثِ عزت اور باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ فقیر کو فقر پر صبر کرنا چاہئے اور اپنے دل سے رنج و ملالِ فقر نکال دینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے اس فقر میں بہت ہی عزت و آبرو پوشیدہ رکھی ہے اور اِسی فقر سے اُنھیں خدا اور اُس کا رسول محبوب رکھتا ہے ؎

صبر کن با فقر و بزار این ملال
زانکہ در فقر است عِزّ ذُوالجلال [1]

مولانا وحید الدین خان نے اپنی کتاب میں ایسے کئی واقعات لکھے ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کو فقر و فاقہ سے کتنی محبت تھی۔ مثلاً یہ کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے گذر جاتے تھے لیکن نبیؐ کی بیویوں کے مکانات میں چولہا نہیں جلتا تھا اور کھجوروں اور پانی پر گذارہ کرتے تھے۔ انہی کی ایک اور روایت یوں تحریر کی ہے:

''محمدؐ کے مدینہ آنے کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ کے گھر والوں نے مسلسل تین دن تک گیہوں کا استعمال کیا ہو اور اسی حالت میں آپؐ دنیا سے چلے گئے۔'' [2]

وحید الدین خان صاحب اک اور جگہ یوں رقمطراز ہیں:

''آپؐ نے قدرت رکھنے کے باوجود اس طرح زندگی گذاری اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنی بیویوں اور اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ نہ دینار، نہ درہم، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ اس کے بجائے دنیا کی عظیم ترین حکومت کے بانی جس کو اپنی زندگی میں یہ معلوم تھا کہ اس کی حکومت ایشیا اور افریقہ سے گذرتی ہوئی یورپ کی سرحدوں تک پہنچ جائے گی اس نے فرمایا لانورث ماترکنا صدقة یعنی ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' [3]

داراشکوہ فقر کی برتری پر اپنے خیالات یوں تحریر کرتے ہیں:

---

[1] مثنوی مولائے روم، جلد اوّل، صفحہ 255۔ [2] مذہب اور جدید چیلنج، صفحہ 138۔ [3] ایضاً صفحہ 39-138۔

''وہ مشائخ جو فقر کو غنا پر ترجیح دیتے ہیں ان کا پلّہ بھاری ہے بہ نسبت ان کے جو غنا کو فقر سے برتر سمجھتے ہیں۔ نبی کریمؐ نے فرمایا الفقر فخری (فقر میرا فخر ہے) نیز یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت کے فقیر اغنیا سے 500 سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔'' 1

آگے بھی فقر کی برتری پر یوں لکھتے ہیں:

''سلیمانؑ غنی تھے لکن بنی کریمؐ اور حضرت سلیمانؑ کے مرتبوں میں جو فرق ہے اظہر من الشّمس ہے۔ اغنیا صاحب صدقہ ہیں اور فقراء صاحب صدق۔ صدق صدقہ سے افضل ہے اس آیت کریمہ کے بہ موجب کلُ من علیھا فان......'' 2

قرآن مجید میں کئی بار دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کا ذکر آیا ہے لیکن ہم پھر بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہیں اور اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔ دنیا کو حاصل کرنے کے لئے ہم نہ دن دیکھتے ہیں اور نہ رات نہ سردی دیکھتے ہیں نا ہی گرمی۔ سورہ توبہ میں آیا ہے کہ دنیا کا آرام چند روزہ ہے اور پرہیزگار کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ دنیا جب ختم ہوگی تو قیامت میں دنیا پرست لوگوں کے لئے شدید عذاب ہوگا۔ سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان اور کچھ بھی نہیں ہے۔

''وَمَاالحیواۃ الدُنیا اِلا متاعُ الغرُور''

علامہ اقبال نے اس بات کو اپنے کلام میں یوں بیان کیا ہے ؎

کیا ہے تونے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الٰہَ اِلا اللّٰہ

مختصر یہ کہ پورے قرآن میں بار بار دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی بیان فرمائی گئی ہے۔ حضورؐ نے بھی دنیا کی مذمت فرمائی ہے۔ آپؐ اس شخص پر انتہائی تعجب کرتے ہیں جو دائمی زندگی والے گھر کو بھول کر دھوکے والے گھر کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ حضورؐ ن دنیا کی محبت

---

2 1

کو ہر گناہ اور مصیبت کی جڑ قرار دیا ہے۔ اگر یہ دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو حضورؐ فقر اختیار نہیں فرماتے اور کبھی بھی فقر پر فخر نہیں کرتے۔ تمام اولیائے کرام نے اسی لئے فقر خود بھی اختیار کیا اور مریدوں کو بھی اس کو اختیار کرنے کی تلقین کی کیونکہ حضورؐ کو فقر پر فخر اور ناز تھا۔ علامہ اقبال اس فقر کے بارے میں ضرب کلیم میں یوں فرماتے ہیں ؎

یہ فقرِ غیور جس نے پایا
بے تیغ و سناں ہے مرد غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فقر غیور کا تعلق تقویٰ اور عشق سے ہے نہ کہ فتویٰ اور علم سے۔ ہم تاریخ میں پڑھ چکے ہیں کہ جب انگریزوں نے حضرت ٹیپو سلطان سے ہتھیار ڈالنے کی صلاح دی تو اُنہوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' فقر غیور ہی ہمارے بزرگوں کی وہ میراث ہے جس کو حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ایمان، وقار، سربلندی، خودی، خودداری اور عزت روپے پیسے اور مال و دولت سے نہیں ملتی بلکہ صرف اور صرف فقر غیور سے ملتی ہے اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالد جانباز ہے یا حیدرِ کرار

اسلام اور تصوف بھی مسلمان کو اسی فقر کی تعلیم دیتا ہے اور بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ جس کی فقیری میں بوئے اسد الٰہی ہو وہ فقیر نادار اور مفلس نہیں بلکہ دنیا کے دو بڑے بادشاہوں یعنی دارا اور سکندر سے بھی افضل و اعلیٰ ہے ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد الٰہی

ایک اور جگہ علامہ اقبال اسی تناظر میں کہتے ہیں ؎

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ ساز

آخر پر ایک یورپی فلاسفر اور دانشور کی رائے لکھتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب Islam and its founder میں حضورؐ کے بارے میں لکھی ہے۔اس فلاسفر اور دانشمند کا نام J.W.H Stobart ہے وہ لکھتے ہیں:

''محمدؐ نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔اُنہیں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دن رات اپنی کامیابی کا انتظار رہتا تھا۔ بہ ظاہر بالکل غیر محفوظ بلکہ یوں کہئے کہ شیر کے منہ میں رہ کر ہمت دکھائی کہ اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ اُنہوں نے ایک موقع پر خدا سے کہا تھا ''صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں'' [1]

جز بہ قرآن ضیغمی روباہی است
فقر قرآن اصل شہنشاہی است

مطلب یہ کہ قرآن کے بغیر شیری روباہی کے برابر ہے اور فقرِ قرآن ہی اصلِ شہنشاہی ہے۔جب مسلمان قرآن پر سچا ایمان لائے گا اور قرآن پر عمل کرے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے نہ ہرا سکتی ہے اور نہ ہراسان کر سکتی ہے لہٰذا فقر کی دولت حاصل کرنے کے لئے ہمیں اسوۂ رسولؐ اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جانا چاہئے اُسی میں ہماری طاقت، تقویٰ اور عزت و وقار کا راز پوشیدہ ہے اسی لئے علامہ اقبال نے بھی کہا ہے ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

☆☆

---

[1] مذہب اور جدید چیلنج از مولانا وحید الدین خان، صفحہ 149

شریعت اور طریقت

طریقت اللہ تعالیٰ سے بے لوث اور بے غرض دوستی اور محبت کا نام ہے۔طریقت اللہ کی یاد اور اُس کے صفات کے ذکر میں کھو جانے کا نام ہے جس سے قلب کو صاف اور ذہن کو اللہ کے نور سے روشن کیا جاتا ہے۔طریقت دنیا سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے اور دنیا سے بے تعلق ہونے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دنیا میں رہ کر اس کی آلودگیوں سے محفوظ رہنے اور دوسروں کو بچانے کی تعلیم دیتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ طریقت ''دل بایار اور دست باکار'' کی تعلیم دیتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ طریقت کے مطالعہ کرنے والے دو گروہ میں بٹ چکے ہیں۔ایک گروہ طریقت اور تصوف کو غیر اسلامی اور غیر شرعی سمجھتا رہا ہے اور دوسرا گروہ اس کو شریعت کی روح اور فخر سمجھتا ہے اور سمجھانے پر اصرار کرتا ہے۔

عبدالماجد دریابادی علم کی دو قسمیں لکھتے ہیں۔ایک ظاہری، دوسری باطنی۔اُن کا خیال ہے کہ جس علم کا تعلق زبان اور اعضا سے ہے اُسے علمِ ظاہر کہتے ہیں جس کا نام شریعت ہے۔جب شریعت کا اثر ظاہر سے گذر کر باطن اور قلب تک محیط ہو جاتا ہے تو اُس علم کو طریقت یا علمِ باطن کہتے ہیں۔اُن کے خیال میں قرآن مجید کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔اس بارے میں وہ یُوں لکھتے ہیں:

> ''قرآن کا بھی ایک ظاہر ہے، ایک باطن، حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن۔کتاب اللہ وسنت رسولؐ کے اِسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے۔طریقت کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے الگ کوئی شئے نہیں بلکہ اِسی کے مغز و باطن کا

نام ہے۔'' 1

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کہتے ہیں کہ شریعت وحقیقت مشائخ عظام کے نزدیک دو اصطلاحی کلمے ہیں جن میں سے ایک ظاہری اور دوسرا باطنی حال کو بیان کرنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہری جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں اور بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اُٹھ جاتی ہے۔'' 2

جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ متصوفین کے ہاں شرعی حدود و قیود کی مناسب پاسداری نہیں کی جاتی، غلط ہے کیونکہ شریعت وطریقت میں کسی درجے کی تقسیم وتفریق کا شائبہ تک نہیں ملتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''جو صوفی شریعت وطریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔'' 3

ذخیرت الملوک کے دیباچے میں محمد ریاض قادری لکھتے ہیں:

''اسلامی تصوف کا منبع بلاشبہ قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہؐ ہے۔ آپؐ کا اُسوہ حسنہ اس کی معراج ہے۔ تصوف وسلوک ہی دین اسلام کی اصل رُوح ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اوائل اسلام میں اس کی کوئی منطقی تربیت عمل میں نہیں آئی تھی مگر اس کا آغاز تو حضورؐ کی مقدس تحریک کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ آپؐ اور اصحاب کرامؓ کی پاکیزہ زندگی اس کا اوّلین بہترین نمونہ ہیں۔'' 4

امام محمد غزالی اسلامی تصوف کے بارے میں اپنے خیالات کا یُوں اظہار کرتے ہیں:

''اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق اور اُسی کی

1 تصوف اسلام، صفحہ 35۔ 2 کشف المحجوب مترجم غلام معین الدین نعیمی، صفحہ 549۔ 3 تعارف فقہ وتصوف

4 ذخیرت الملوک (اُردو) محمد ریاض قادری، صفحہ 7۔

طرف جھکاؤ پیدا کرتا ہے جس سے عبادت گذار نماز، روزہ کا عاشق، مال خرچ کرنے والا، بہترین عادات اختیار کرنے والا، بُری باتوں سے اجتناب کرنے والا، حق کی حمایت کے لئے پُر جوش، بھلائی کا حکم دینے والا، بُرائی سے روکنے والا، نفس کے تقاضوں کو پس پُشت ڈالنے والا، دنیا کی ترغیبات کو پائے حقارت سے ٹھکرانے والا، اپنے آپ کو مخلوقِ خدا کی خدمت و ہدایت کے لئے وقف کرنے والا، انسانی جذبات کو قابو میں رکھنے والا بنتا ہے۔" 1

عزیز الرحیم دانش اِمدادی اپنے خیالات یوں اظہار کرتے ہیں:

"سلوک وتصوف تزکیہ واحسان نہ تو دین وشریعت سے الگ کوئی چیز ہے اور نہ دین میں کوئی اجنبی شئے ہے بلکہ کتاب وسنت کی شاہراہ پر اخلاص وعمدگی سے مسلسل چلتے رہنے کا دوسرا نام ہے۔ یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر ہر دور کے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحینؒ گامزن رہے اور اس کی جانب وہ لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔" 2

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کا خیال ہے کہ انسان روح اور مادّہ کی ایک حسین وحدت ہے اور اسی وحدت کی تکمیل اور ترقی مطلوب ہے نہ کہ تنہا روح یا مادّہ کی۔ انسان کی تخلیق کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت واطاعت اور اس کی خلافت کی تکمیل بندۂ خدا بن کر احسن طریقے سے کرے۔ قرآن کریم بھی انسان کو زمین پر خلیفۃ اللہ کے نام سے یاد فرماتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صوفیہ کی ایک تعداد بھی یہی رائے رکھتی ہے اور اپنے طریقے اپنے معارف، اپنے نظریات اور اپنے رجحانات کو اس سے ہم آہنگ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔" 3

چونکہ تصوف کا تعلق انسان ک داخل سے ہے اور اس کا مقصد صبر، توکل اور اخلاص جیسے فضائل، خوف، خشیت اور محبت جیسی کیفیات، دنیا سے بے نیازی، خاموشی اور خلوت نشینی

---

1 اسلامی تصوف مترجم مسعود اظہر ندوی، صفحہ 216۔ 2 تصوف عصر جدید میں، صفحہ 42

3 تصوف اور شریعت جلد اول، صفحہ 26۔

جیسے رجحانات، فقر وفاقہ، عبادت وشب بیداری اور ذکر وفکر جیسے اعمال پیدا کرنا ہے تاکہ روح میں مطلوبہ صفات پیدا ہوسکیں۔ جب یہ صفات سالک میں پیدا ہوں تب اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرتے ہوئے اُسے قرب الٰہی کی منزل حاصل ہوسکتی ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری لکھتے ہیں:

''اس مقصد کے حصول اوراس منزل تک رسائی کے لئے جوراستے قرآن وسنت نے بتائے ہیں وہ سب کے لئے کھلے ہیں۔امیر وغریب، حاکم ومحکوم، مزدور و کسان، عالم وعامی، مردوعورت سب اِسی شاہراہ پرسفر کرسکتے ہیں۔کسی کو نہ مال وجائیداد سے دستبردار ہونا ہے نہ آبادی سے دور جاناہ نہ عائلی زندگی کو بارسمجھنا ہے۔نہ اجتماعی ذمہ داریوں سے اجتناب کرنا ہے، نہ فقر وفاقہ کی مشق کرنی ہے اور نہ کسب رزق سے منہ موڑنا ہے۔ایک نارمل انسان کی زندگی گذارتے ہوئے ان تمام تقاضوں کوحسب استطاعت پورا کرنا مطلوب ہے جیسا کہ خدا کی بندگی اوراس کی عبادت چاہتی ہے۔'' [1]

داتا گنج بخش کا خیال ہے کہ شریعت وطریقت ایک ہے۔شریعت وطریقت جسم اور جان کی مانند ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''شریعت کا قیام حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قیام شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو، جب روح اس سے جدا ہوجاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہوجاتا ہے اور روح جب تک رہتی ہے تو اس کی قدر وقیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تک ہے۔ اِسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریّا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نِفاق۔'' [2]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تصوف فقہ کی جگہ کافی نہیں ہے۔ جو صوفی فقہ کا عالم نہیں ہے اُس کا حال ناقص ہے اور عمل کے میدان میں تصوف بغیر فقہ کے صحیح نہیں ہے۔اس بارے میں عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

---

[1] تصوف اور شریعت جلد اول، صفحہ 22

''صوفی فقہ کا محتاج ہے اور جو فقہ حاصل کئے بغیر راہِ تصوف اختیار کرتا ہے وہ زندیق بن جاتا ہے کیونکہ فقہ مقامِ اسلام اور تصوف مقامِ احسان ہے۔'' 1

اس بات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شریعت وطریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شریعت پر عمل کئے بغیر صوفی طریقت کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا اور شریعت پر عمل کرنے کے بعد ہی صوفی صحیح معنوں میں صوفی کہلانے کا مستحق اور حق دار ہے۔

عبدالماجد دریابادی کا خیال ہے کہ ابتداء ہی سے مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے دنیاوی مقاصد سے قطع نظر کر کے اپنا مقصد یادِ الٰہی اور ذکرِ خدا کو بنایا تھا اور یہ جماعت کئی ناموں سے یاد کی جاتی رہی۔ آہستہ آہستہ ان کے مسلک کا نام تصوف پڑ گیا۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ لوگ پہلے مسلمان تھے پھر صوفی۔ وہ تصوف کو ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لائے تھے بلکہ اسلام کے تحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو کہتے تھے۔ وہ اسلام کو تصوف پر مقدم رکھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباعِ کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے، اُسوۂ رسولؐ وصحابہؓ کو دلیلِ راہ رکھا جائے، امرونواہی کی تعمیل کی جائے۔ طاعات وعبادات کو مقصودِ حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت وتعلقِ ماسوا سے الگ کیا جائے۔ نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور صفائے معاملات وتزکیۂ باطن میں جہد وسعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے۔'' 2

اُن کے خیال میں تصوف وہ ہے جس کی تعلیم خود حضورؐ نے دی ہے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرتِ علیؓ نے اپنایا تھا، جس کی تعلیم جنید بغدادی، رابعہ بصری نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ سہروردیؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ اور حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کرتے رہے اور جس کی دعوت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زبانِ قلم دیتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ علامہ قشیری کے حوالے سے حضرت ذوالنون مصری کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

1 فقہ وتصوف مترجم: عبدالحکیم شرف قادری
2 تصوف اسلام، صفحہ 15۔

''حضرت ذونوں مصری کو جو تیسری صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ طریق (تصوف) میں سارے کلام کا دارومدار چار چیزیں ہیں۔ اوّل سب سے بڑے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت دوسرے سب سے کم یعنی دنیا سے بُغض، تیسرے قرآن، وحی الٰہی کا اتباع چوتھے حالت بدل جانے کا خوف''۔ 1

عبدالماجد دریابادی کے خیال میں تصوف کا اصلی معنی ومقصد یہ ہے کہ صوفی قرآن وسنت پر عمل کر کے روحانی منزلیں طے کرتا جائے ورنہ تصوف کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اُن کے تمام اوصاف واخلاق سنتِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں اور گویا سب سے بڑا صوفی وہ ہے جو سب سے زیادہ اہل القرآن اور متبع سنت ہے۔'' 2

ایک اور جگہ صوفیاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''صوفیہ کی اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں ان کا مطلوب ومقصود تمام تر اللہ ہی ہوتا ہے۔ ماسوا اور لایعنی مشغلوں سے اُنہیں کوئی واسطہ نہیں۔'' 3

علامہ قشیری کا طریقت یعنی تصوف کے بارے میں کیا عقیدہ ہے اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں عبدالماجد دریابادی نے یوں سمیٹا ہے:

''تصوف کی ساری بنیاد اِسی پر ہے کہ آدابِ شریعت کی پابندی رہے، حرام اور مشتبہ چیزوں سے دست کشی کی جائے۔ ناجائز اوہام وخیالات سے حواس کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گذاری کی جائے۔'' 4

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے تصوف کے بارے میں خیالات کو عبدالماجد دریابادی یوں بیان فرماتے ہیں:

---

1 روح تصوف مترجم مفتی محمد شفیع، صفحہ 17۔ 2 تصوف اسلام، صفحہ 32۔

3 ایضاً، صفحہ 31۔ 4 ایضاً، صفحہ 95۔

''تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسولؐ کا۔ اور اسی پر مداومت سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور ہر شئے میں اتباعِ رسولؐ ہونے لگتا ہے تو اب اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرنے لگتا ہے۔'' 1

عبدالماجد دریابادی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب بن زید قدیم صوفیاء کے ایک سرخیل گذرے ہیں اور اُن سے جب طریقت یعنی تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اپنی عقل کو سنتِ رسولؐ پر خرچ کرنے کا نام طریقت یعنی تصوف ہے۔ اس بارے میں جناب دریابادی صاحب اپنے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں:

''جو لوگ سنت رسولؐ پر اپنی عقل کو صرف کرتے ہیں اور اپنے قلب سے متوجہ رہتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثت سے اپنے سرور وسردارؐ کے دامن میں پناہ لیتے ہیں وہ صوفیہ ہیں۔'' 2

شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ عرب کے ایک مشہور صوفی بزرگ گذرے ہیں۔ اُن کا رِسالہ بنام ''الفقر محمدیؐ'' کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کیا ہے جس میں تصوف کی اچھی باتیں درج ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اصلی تصوف اور سچی درویشی کی اگر کسی کو چاہت اور طلب ہو تو اُسے چاہئے کہ رسول اللہؐ کی درویشی اور فقیری کو اختیار کر کے سنت رسول اللہؐ کی دل وجان سے پیروی کرے کیونکہ بقول اُن کے صاف اور پاکیزہ پانی وہیں سے ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے۔ اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ تصوف اور فقر کے میدان میں قدم رکھنا اُسی وقت ممکن ہے کہ جب سالک کو ممنوعات سے بچنے اور احکامِ شریعت کی تعمیل پر قدرت حاصل ہو جائے ورنہ تصوف اختیار کرنا ناممکن ہے۔ اس بارے میں وہ اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''محمدیؐ فقیروں (صوفیوں) کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں۔ اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم یعنی خدا کی تجلیوں کا ظہور ہونے لگتا ہے۔'' 3

---

1 تصوف اسلام، صفحہ 124۔ 2 تصوف اسلام، صفحہ 125۔ 3 بحوالۂ تصوف اسلام، صفحہ 195

حضرت سلطان باہوؒ کا خیال ہے کہ تصوف اختیار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں تصوف ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر شخص اس کے مذاق سے آشنا ہو سکے۔ اس کی لذت تو کچھ متصوفین ہی جان سکتے ہیں جنہوں نے اپنی جانِ عزیز اس راہ میں قربان کر دی ہے اور خدا کے محبوبین میں شمار کئے گئے ہیں۔'' 1

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو اپنی کتاب میں ایک جگہ حضرت معروف کرخی کے قول کو خصوصی طور پر درج کرتے ہیں جو یوں ہے:

''تصوف گرفتنِ حقائق و گفتن بہ دقائق و نومید شدن از آنچہ ہست در دستِ خلائق۔''

(یعنی تصوف حقائق کا پانا اور پکڑنا اور دقائق کا کہنا اور جو کچھ خلائق کے ہاتھ میں ہے اس کی طرف نظر نہ کرنا اور اس سے نا اُمید ہو جانا ہے۔'' 2

عبدالحکیم شرف قادری کے خیال میں اسلام تزکیۂ روح کی تعلیم دیتا ہے اور تصوف اس دین کا جوہر ہے اور روحانیت سرچشمۂ حیات ہے۔ اسی تصوف کی بدولت علم وفکر، جذبہ واحساس اور عمل وکردار پروان چڑھتا ہے۔ اُن کے خیال میں تصوفِ اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تصوف اسلام کی شیرازہ بندی کا وہ داخلی عنصر ہے جو عقائد، اخلاق، اعمال اور شریعت کے تمام دیگر اجزاء میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔ فقہ اور تصوف کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ دونوں ایک ہی پیکر کے دو اجزاء اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ایک فقہ ظاہر ہے دوسرا فقہ باطن۔ دونوں وحدت کے اٹوٹ رشتے میں پروئے ہوئے باہم لازم وملزوم۔ ایک زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور دوسرا اسے معتبر بناتا ہے۔ ایک تہذیب کا خاکہ دیتا ہے اور دوسرا اس میں رنگ بھرتا ہے۔ اک حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا منزل تک پہنچاتا ہے۔'' 3

---

1 محک الفقراء کلاں، صفحہ 1۔ 2 ایضاً صفحہ 2۔ 3 تعارف فقہ وتصوف، صفحہ 26

صحابہ کرامؓ نے تمام علوم رسول اللہؐ سے حاصل فرمائے جن میں طریقت کی تعلیم بھی شامل ہے۔اس سلسلے میں مولانا ذوالفقار نقشبندی یوں لکھتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ نے علم ظاہری و باطنی یعنی علم قال و علم حال رسول اللہؐ سے سیکھا اور اس وقت سے امت میں ان علوم کی اشاعت و ترویج جاری وساری ہے۔آج کے دور میں علم قال کو فقہ یا شریعت اور علم حال کو تصوف یا طریقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہ دونوں علوم انسان کی ایمانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔'' 1

اکبر الہ آبادی نے شریعت و طریقت کو یوں بیان کیا ہے ؎

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت وضو ہے طریقت نماز
شریعت میں ہے قیل و قال حبیب
طریقت میں حسن و جمالِ حبیب
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ صوفی و مُلا کی جنگ

شیخ الاسلام حضرت ذکریا انصاری نے کیا خوب کہا ہے:

''شریعت حقیقت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن دونوں لازم وملزوم ہیں۔ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی۔'' 2

شیخ ابو طالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں:

''دونوں علوم اصلی ہیں جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہیں بمنزلہ ایمان اور اسلام کے۔ہر ایک دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے جیسے جسم اور قلب کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔'' 3

پس ثابت ہوا کہ علم طریقت و تصوف کوئی عجمی چیز نہیں ہے بلکہ خالص مکی اور مدنی چیز ہے البتہ جاہل صوفیہ کی وہ باتیں جو شریعت کے خلاف ہوں ہمیشہ رد کی جائیں گی۔

---

1 تصوف وسلوک بہ اہتمام عمیر ثاقب صدیقی،صفحہ 7۔ 2 ایضاً،صفحہ 8۔ 3 ایضاً ،صفحہ 8

طریقت وتصوف کے بارے میں صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ مسلمان شریعت پر عمل کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے طریقت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے جہاں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کے صلے میں اُسے حقیقت سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے اور تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کر کے معرفت سے نوازا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر بشیر احمد نحوی یوں لکھتے ہیں:

''تصوف نام ہے مجموعۂ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا۔ شریعت راستہ ہے۔ طریقت کا مطلب ہے اس راستے پر چلنا اور جس مقام و منزل کی طرف یہ راستہ رہنمائی کرتا ہے وہ حقیقت کہلاتا ہے۔ اور حقیقت کی روشنی میں جو علم سالکِ راہِ طریقت کو حاصل ہوتا ہے اُسے معرفت کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تصوف اور شریعت میں کوئی مغائرت نہیں ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی طریقت یا تصوف ہے۔'' [1]

طریقت بُری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے، مقام حقیقت سمجھنے اور ماسوا اللہ سے دل کو خالی کرنے اور درجۂ قربِ الٰہی حاصل کرنے کا موجب ہے۔ اس بارے میں دارا شکوہ یُوں لکھتے ہیں:

''سلوک کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ سالک کے لئے لازم ہے کہ احکامِ شریعت کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جب اپنی اہلیت کے مطابق کوشش کر لے اور شریعت کی پیروی مستحکم ہو جائے تو احکام شریعت کی پیروی کی برکت سے اس کے دل میں طریقت کا مرتبۂ کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گی اور پھر جب طریقت کے فرائض درست طور پر ادا کرے گا تو حق سبحانہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھوں سے بشریت کا پردہ اٹھا دے گا اور حقیقت کے معنی اس پر ظاہر ہو جائیں گے جس کا تعلق رُوح سے ہے پس شریعت سے روحانی تعلق کی نگہداشت ہوتی ہے اور مرتبۂ طریقت کے حاصل ہونے کا سبب بنتی

---

[1] نظریۂ تصوف اور اقبال، صفحہ 3

ہے اور طریقت بُری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے، مقامِ حقیقت کو سمجھنے، فنائے وجود کی اصلیت کا اِدراک کرنے، ماسوا اللہ سے دل کو خالی کرنے اور درجۂ قرب میں واصل ہونے کا موجب ہے۔'' 1

جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسان نفس، قلب اور رُوح کا مجموعہ ہے ان تینوں کا تزکیہ اور تصفیہ کرنے کے بعد ہی انسان اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہونے کا اہل بن سکتا ہے۔ ان تین چیزوں کی اصلاح کیسے ہوتی ہے اور کن چیزوں سے ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں سکینۃ الاولیاء میں یوں لکھا ہے:

''یہ بھی جان لو کہ آدمی تین چیزوں یعنی نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے اور ہر ایک کی اصلاح تین چیزوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ نفس کی اصلاح — شریعت کی پیروی سے

۲۔ دل کی اصلاح — طریقت کے فرائض ادا کرنے سے

۳۔ روح کی اصلاح — حقیقت کے مرتبوں کے حفاظت سے۔'' 2

طریقت اور تصوف کی دولت کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس بارے میں ہزاروں کتابوں میں مواد میسر ہے۔ موسیٰ خان جلال زئی نے اپنی کتاب میں طریقت کے حصول کے لئے کچھ باتوں کو ضروری سمجھ کر یوں لکھا ہے:

''دولت تصوف کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ طالب پہلے اپنی طبیعی اور خارجی پریشانیوں سے نجات حاصل کرے، اپنے ایمان کو پختہ اور مستحکم کرے اور پھر اپنے خالق کی یاد اور ذکر کی جانب پورے شعور و احساس کے ساتھ متوجہ ہو۔ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ اس کے ہر حکم کو ترجیح دے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کو ہر عزیز اور محترم سے زیادہ عزیز اور محترم رکھے۔ اس کی آیات اور نشانیوں پر غور و فکر کی عادت ڈالے، آنکھیں وا کر کے دیکھے یہ کیسی عظیم الشان اور حیرت انگیز ہیں۔ اس کی مخلوق پر کیسے کیسے انعام و اکرام ہیں۔'' 3

---

1 سکینۃ الاولیاء، صفحہ 103۔ 2 ایضاً، صفحہ 103۔ 3 فلسفۂ تصوف، صفحہ 20

صوفی حضرات دنیا کی حقیقت جانتے ہیں اور ان کی نظر قرآنِ کریم اور سنت نبویؐ پر رہتی ہے اور وہ اپنی زندگی عینِ ارشادِ باری تعالیٰ اور فرمانِ رسولؐ کی پیروی کرنے میں گذارتے ہیں۔ وہ موت کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور جان آفرین کو جان سپرد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔امام غزالی طریقت اور تصوف کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''تصوف کی اصل مغز یہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ اکثرُ وامِن ذِکرِ ھا دِم الذات یعنی لذتوں کو مٹادینے والی (موت) کو بہت یاد کیا کرو۔'' [1]

طریقت اور شریعت پر چلنے والے صوفی حضرات بہت ہی پرہیزگار، متوکل، صابر، شاکر اور منکسرالمزاج ہوتے ہیں۔ وہ سراپا خیر ہوتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہیں۔اس سلسلے میں امام غزالی لکھتے ہیں:

''حضرت داوٴدؑ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا کہ تین چیزیں مومن کی پرہیزگاری پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ پانے کی صورت میں بہترین توکل، پالینے کی صورت میں بہترین رضا اور ختم ہو جانے کی صورت میں بہترین صبر۔'' [2]

صوفی حضرات دنیا میں مسافر کی طرح رہتے ہیں اور سیم و زر جمع کرنے میں اپنی مستعار اور عارضی زندگی کو برباد نہیں کرتے۔ وہ عام لوگوں کی طرح مال و دولت کمانے یا زمین پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے بہت محنت کرتے ہیں، نفس امارہ کو قابو میں کرنے میں لگے رہتے ہیں اور یہی اُن کی عادت بن جاتی ہے۔اُنہیں حضورؐ کا فرمان ہر وقت رہنمائی کرتا ہے۔اس بارے میں امام غزالی لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بار رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوئے تو آپؐ چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے اور چٹائی کے نشانات آپؐ کے جسم اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کاش آپ اس سے بہتر بستر لے لیتے۔آپؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا سروکار؟

---

1. مکاشفۃ القلوب،صفحہ 201۔ 2. ایضاً،صفحہ 199

میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے گرمی کے دن میں کوئی مسافر سواری سے
اُتر کر ایک گھڑی کسی درخت کے سائے میں دم لے اور پھر اُسے چھوڑ کر
چلا جائے۔'' 1؎

چونکہ صوفیائے کرام شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے طریقت پر چلتے ہیں اور ہر قدم کتاب وسنت کی پیروی میں اُٹھاتے ہیں اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اِسی لئے سید محمد ریاض قادری اسلامی تصوف کے بارے میں یوں تعریفی کلمات تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے اصول پہچانے جاتے ہیں جس کی غرض سعادتِ ابدی کی تحصیل ہے۔ ابن خلدون اپنے مقدمے میں علم تصوف کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ تصوف کے معنی ہیں عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا، دنیا کی زیب وزینت کی طرف رُوگردانی کرنا، لذت مال اور جاہ کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صالحین میں عام اور مروج تھا۔'' 2؎

یہ علم صوفیائے کرام نے اسوۂ رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی کو مدنظر رکھ کر سیکھ لیا ہے کیونکہ حضورؐ نے اپنے اصحاب کی اس طرح تربیت کی تھی کہ وہ عفت اور قناعت کے پیکر نظر آتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کی روایت امام غزالی نے نقل کی ہے جو یوں ہے کہ:

''حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی تو کچھ روز بعد ہی آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگ مجھ سے بیعت نہیں کروگے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم تو آپؐ سے بیعت کر چکے ہیں اب کس بات پر بیعت کریں۔ آپؐ نے فرمایا اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروگے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے اور پانچوں نمازیں ادا کروگے اور اطاعت کروگے اور آپؐ نے چپکے ایک بات کہی کہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگو گے۔

1؎ اسلامی تصوف، صفحہ 61-160۔ 2؎ ذخیرت الملوک، صفحہ 13

اس تربیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اونٹنی پر سوار ہو کے کہیں جا رہے تھے کہ ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ آپ نے اونٹنی بٹھائی اور خود سے اُٹھایا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم اُٹھا کر دیتے۔ فرمایا میرے محبوبؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگو گے (مسلم)'' [1]

انہی احادیث اور اصحاب رسولؐ کی عملی زندگی اور فرمودہ باری تعالیٰ پر صوفیائے کرام آخرت کی کھیتی کو آباد کرنے میں خود بھی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس بات کی تلقین کرتے رہتے ہیں کیونکہ اُن کے سامنے قرآن کریم کا یہ فرمان ''جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں'' اور یہ فرمان رسولؐ کہ ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' لہٰذا یہ حضرات صرف گفتار کے ہی نہیں کردار کے بھی غازی ہوتے ہیں۔ اُن کے کہنے اور کرنے میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے۔ اسلام اور اسلامی تصوف بھی یہی ہے کہ زندگی کی پرستش اور اسی کو سب کچھ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے اور اس غلطی کی تصیح کے لئے بار بار دنیا کی حقارت بیان کی گئی ہے لیکن دنیا کو آخرت کا ذریعہ سمجھ کر کام کیا جائے تو یہ خوش آیند چیز ہے اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا رزق مقرر کر دیا ہے اس سے زیادہ نہ مل سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کم ہوسکتا ہے۔ اس لئے جائز طریقوں سے پوری جدوجہد کے ساتھ اپنی قسمت پر قانع رہنا چاہئے۔ ناجائز طریقے اختیار کر کے اپنے آپ کو دنیا و آخرت کی بربادی میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ انسان اور خواہشات نفس کے درمیان کشمکش ہوتی ہی ہے لیکن صوفی بے لگام خواہشات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ صوفی ہمیشہ صابر اور شاکر ہوتا ہے۔ اُس کے دل میں ہمیشہ خوفِ خدا ہوتا ہے۔ صوفی کی زندگی اخلاص، محبت، خدا پرستی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ اِسی لئے شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ یہی صوفیائے کرام اصل میں کتاب وسنت کی پیروی کرنے والے خاص بندگانِ خدا ہیں۔ لکھتے ہیں:

''وہ ظاہراً و باطناً چُننے والے نورِ سنت اور کھولنے والے پردوں حقیقت کے ہیں

---

[1] اسلامی تصوف، صفحہ 157-58

اور سلوک وطریقت میں عملاً حالاً اور تحقیق معنی میں تصدیقاً اور اخلاص میں یقیناً
اور جاننے فکر نفس میں صریحاً اور واقفیت وآ گاہی، ورع وتہذیب اخلاق میں یکتا
ہیں۔ سوائے اس کے تزکیۂ ظاہر وتصفیہ باطن وتخلیۂ قلب وتزکیہ روح میں کوئی
شخص ان سے سبقت نہیں لے گیا ہے اور جیسا کہ ان کو اعمال واحوال اور اخلاق
ومقامات اور وجد وذوق ونکات واشارات بلکہ تمام کمالات نے ہاتھ دیا ہے ایسا
کسی فرقہ کو نہیں دیا۔'' 1

عبدالماجد دریا بادی مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں اِسی لئے شریعت وطریقت کو ایک
سمجھتے ہیں:

''قدماء صوفیہ کے نزدیک طریقت وشریعت میں تخالف مطلق نہ تھا بلکہ شریعت
ہی کی تکمیل واتمام کا نام طریقت ہے۔'' 2

حضرت امام ابوحامد غزالی تصوف کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالی کرنا اور اللہ کے سوا ہر چیز کو حقیر سمجھنا۔'' 3

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

''صوفی وہ ہے جس کا ظاہر و باطن کتاب وسنت کی پیروی کی بدولت پاک و
صاف ہوجائے۔'' 4

حضرت ابوسلیمان درانی فرماتے ہیں:

''صوفیہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن میرے دل میں جاگزین رہتا ہے
لیکن قرآن وسنت کے سچّے گواہوں کی شہادت کے بغیر میں اُسے نہیں مانتا'' 5

حضرت ابوالقاسم بن ابراہیم متوفی 367ھ فرماتے ہیں:

''تصوف کی اصل یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا التزام اور خواہشات وبدعات سے
اجتناب اور بزرگوں کی تعظیم وتکریم کرے۔'' 6

---

1 دلی کے بائیس خواجہ، از خواجہ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، صفحہ 14-213۔ 2 تصوفِ اسلام، صفحہ 35۔ 3 اسلامی تصوف
از علامہ محمد غزالی ترجمہ ابومسعود اظہر ندوی، صفحہ 216۔ 4 5 ایضاً صفحہ 217۔ 6 روح تصوف از اشرف علی تھانوی، صفحہ 112۔

حضرت اشرف علی تھانوی تصوف کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عثمان مکی سے دریافت کیا گیا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے۔فرمایا کہ بندہ ہر وقت اسی حالت میں رہے جو اُس وقت کے مناسب ہو اور شیخ ابوالحسن سیروانی کا یہ مقولہ بھی اسی معنی پر محمول ہے کہ صوفی وہ شخص ہے جو واردات کا تابع ہو نہ کہ اوراد و وظائف کا۔'' 1

عزیز الرحیم دانش امدادی لکھتے ہیں:

''طریق تصوف کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔یہی وہ نسبتِ صوفیاء ہے جس کو غنیمت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جملہ اذکار و اشغال و نوافل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔لیکن اگر یہ مقصد اتباعِ سنت کے ساتھ حاصل ہو تو نسبتِ مقبولہ منورہ ہے۔ بدعات کے ذریعہ حاصل ہو تو نسبتِ غیر مقبولہ مظلمہ ہے'' 2

حضرت علی ہجویریؒ کا خیال ہے کہ صوفیائے کرام خدا کے خاص بندے ہیں اور اُنھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام اور اعلیٰ درجہ حاصل ہے کیونکہ اُنھوں نے اللہ کے لئے دنیاوی مال و اسباب اور عیش و آرام کو چھوڑ کر فقیری، تنگدستی اور غریبی کو اپنا کر کتاب و سنت کی پیروی میں اللہ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم رکھا ہے۔علی ہجویری اس بارے میں لکھتے ہیں:

''بارگاہِ احدیت میں فقراء (صوفیاء) کا بڑا مقام و درجہ ہے۔خدا نے ان کو خاص منزلت و مرحمت سے نوازا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسباب ظاہری و باطنی سے ترکِ تعلق کر کے مکمل طور پر مسبب الاسباب پر قناعت کر کے رہ گئے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کی ملازمت اور اس کی بندگی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ان کا یہ فقر ان کے لئے موجب فخر بن گیا ہے۔'' 3

امام مالکؒ تصوف کے معتقد رہے ہیں جس کی بنا پر اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تصوف اور فقہ کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔اس بارے میں شاہ محدث عبدالحق دہلوی یوں لکھتے ہیں:

1 روح تصوف از اشرف علی تھانوی، صفحہ 44۔ 2 تصوف عصر جدید میں، صفحہ 185۔ 3 کشف المحجوب، صفحہ 50۔

''امام مالک سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا، جس نے علم فقہ حاصل کئے بغیر تصوف اختیار کیا وہ زندیق ہے اور جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف کے راستے پر نہیں چلا وہ فاسق ہوا۔'' 1

ایک اور جگہ علامہ سیوطی کے رسالہ ''عقاید'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ اور اُن کے مریدین کا راستہ صحیح راستہ ہے کیونکہ ان کے راستے کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔'' 2

غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ بھی اخلاص اور توحید پر کاربند رہنے کے لئے اپنے مریدین پر زور دیتے رہے ہیں اسی لئے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ذکر وعبادت میں اخلاص توحید کی روح ہے اور قبولیت کی بنیاد ہے۔ تو اپنے پروردگار کی اطاعت کر واس کی شریعتِ مطہرہ کا احترام کر اور اس کی ذات سے کسی قسم کے ظلم وزیادتی نہ کر۔'' 3

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ اور اُس کی فرمانبرداری کرو، ظاہر شریعت کی پابندی کر، اپنے سینے کو شرک وفِسق کی کدورت سے پاک رکھ، بخل سے بچ اور عدل وسخاوت اختیار کر۔ حقوق العباد کو کسی بھی ذریعہ سے غصب مت کر۔ خوش خلقی اختیار کر اور اپنے چہرے کو ہشاش بشاش رکھ۔ تصرف میں آنے والی جائز ومباح چیزوں کو خرچ کر، خلق خدا کو ایذا رسانی نہ کر، فقر وطریقت میں جو مصائب و مشکلات پیش آئیں اُن پر تحمل کر اور یقین وخلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا طلب گار رہو۔'' 4

شریعت وطریقت کے بارے میں مولانا محمد اویس ندوی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ''کرامت نامہ'' سے کچھ الفاظ نقل کرتے ہیں جو یوں ہیں:

---

1 فقہ وتصوف مترجم علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، صفحہ 94۔ 2 ایضاً صفحہ 101

1 فتوح الغیب، صفحہ 93۔ 2 ایضاً صفحہ 191۔

''بعض جہلا جو کہہ دیتے یں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے محض اُن کی کم فہمی ہے۔ طریقت بے شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں، صفائی قلب کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے۔ آئینہ زنگ آلودہ ہے تو پیشاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے اور گلاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے لیکن فرق نجاست اور طہارت کا ہے۔ ولی اللہ کو پہچاننے کے لئے اتباعِ سنت کسوٹی ہے جو متبع سنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر متدع ہے تو محض بے ہودہ ہے۔ خرق عادات تو دجال سے بھی ہوں گے'' 1

ایک اور جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

'' طریقت شریعت سے جدا ضرور ہے لیکن اس کی مخالفت ذرا سی نہیں بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام طریقت ہے۔'' 2

مولانا محمد ادریس ندوی کا بھی یہی خیال ہے کہ شریعت اور طریقت ایک ہی چیز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تصوف سنت ہی پر عمل کا نام ہے۔'' 3

صوفی کبھی کسی عالم دین سے بے ادبی کے ساتھ پیش نہیں آتا ہے اور عقائد کے بارے میں علمائے ظاہر کا خلاف نہیں کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں ک ارشاد آنحضرتؐ ہے کہ عالم انبیاء کے وارث ہیں لہٰذا علماء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس بارے میں شاہ ابوالحسین احمد نوری لکھتے ہیں:

''صوفیائے کرام بھی عقائد کے بارے میں علمائے ظاہر کا خلاف نہیں کرتے بلکہ اُن کے نزدیک بھی تصوف کی شرط اوّل یہ ہے کہ آدمی تمام عقائدِ اہل سنت کا معتقد ہو۔ ہاں وہ بات جو بعض صوفی نما جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مقامِ یقین اولیاء کو زندگی میں بھی حاصل ہوجاتا ہے اور اُنہیں احکامِ شریعت کی پابندی سے سبکدوش کردیتا ہے۔ یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے اور محض عدمِ واقفیت و

1 تصوف کیا ہے، صفحہ 63-62۔ 2 تصوف اسلام، صفحہ 51-50۔ 3 تصوف کیا ہے؟ صفحہ 93

جہالت وگمراہی وخود بینی اور خودنمائی کا منشاء ہے لہٰذا جولوگ سلف صالحین کے اقوال کو چھوڑ کر شیطان کے مشوروں پر عمل کرتے ، زندیق بنتے اور روزہ ،نماز وغیرہ ارکانِ اسلام سے خودکو مستغنی و بے نیاز سمجھتے ہیں وہ گمراہی و بے دینی کے جال کا شکار ہیں۔'' 1

ایک اور جگہ عادات رذیلہ اور اخلاق جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے احمد نوری صاحب یوں لکھتے ہیں:

''قلب و باطن کا رذیل عادتوں سے متخلی یعنی خالی اور جمالِ باطن کا اخلاقِ جمیلہ کے زیورات سے متجلی یعنی آراستہ و پیراستہ ہونا۔جبکہ ناواقف و بدفہم سمجھتا ہے کہ جب ہم نے نماز، روزہ وغیرہ فرائض وواجبات ادا کئے تو شریعت کے احکام کی تعمیل ہوگئی اور یہ نہیں جانتے کہ شریعتِ مطہرہ جس طرح نماز، روزہ کو فرض اور ریاوزنا کوحرام قرار دیا ہے اسی طرح اخلاص وتواضع ، وفا، صفا، تقویٰ وطہارت، خوف وخشیت، ایثار و مودت ،سلوک ومروت، حیا وغیرت وغیرہ اخلاقِ فاضلہ کوفرض اور تکبر،عہد شکنی و بددیانتی ،حُب جاہ ومحبت ریا، تعظیم اُمراء و تحقیرِ مساکین اور حرص وبخل و بندگی شیطان واتباع خواہشات وغیرہ عاداتِ رذیلہ کوحرام ٹھہرایا ہے تو ان اخلاق حسنہ اور عاداتِ قبیہ سے واقف ہونا اور بحکم شریعت پر عمل پیرا رہنا، یہ بھی شریعت کا جزو اعظم اور اتباعِ شریعت ہی ہے۔'' 1

مولانا حکیم محمد ادریس حبان رحیمی علم حال اور علم قال کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ کا بیان یوں قلمبند کرتے ہیں:

''حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں اُن کی اہلیہ سے منقول ہے کہ ابوبکرؓ کو لوگوں پر فضیلت نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ دل کے یقین (معرفت) کی وجہ سے تھی۔ اس یقین اور معرفت کا نام علم حال (تصوف) ہے۔ یہ علم کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ خواہشاتِ نفسانی کے ترک

1 شریعت وطریقت،ترجمہ اُردو،از: مفتی محمد خلیل خان برکاتی،صفحہ 58۔ 2 شریعت وطریقت،صفحہ 24۔

کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے تصوف کا علم قیل وقال کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا بلکہ دنیا اور اس کی لذتوں کے ترک کرنے سے حاصل کیا۔ پس ثابت ہوا کہ علم قال اور علم حال (یعنی فقہ وتصوف) کی ندیاں سرچشمۂ نبوت سے نکلی ہیں۔'' 1

اسلام یعنی شریعت اور تصوف دونوں انسان میں روحانی تبدیلی بری عادات چھوڑنے، اخلاق سیکھنے، نیکی کرنے اور خواہشاتِ نفسانی پر قابو پانے کی تعلیم دیتے ہیں اور مجاہدہ سکھاتے ہیں۔

تصوف صرف ذکر واذکار کا نام نہیں ہے نہ مخصوص لباس پہننے سے حاصل ہوتا ہے۔ اصل تصوف تو انسان میں روحانی تبدیلی پیدا کرنے کا نام ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

''تصوف واحسان بنیادی طور پر نہ خالی ذکر واذکار کا نام ہے اور نہ مخصوص طور و اطوار کا، یہ سب چیزیں اس کی فروع ہیں، اصل تصوف تو انسان میں بنیادی سطح پر روحانی تبدیلی پیدا کرتا ہے جو اس کے جملہ اخلاق اور خصلتوں کو بدل ڈالے اور انسان مکارم اخلاق اور روحانی اقدار کا پیکر بن جائے۔ یہی خصلتیں اور بنیادی اخلاق سلوک وروحانیت کے باغ کے لئے زمین کا کام دیتے ہیں۔'' 2

عصر حاضر مادہ پرستی، عیش وعشرت، مال ودولت کی محبت اور شخص پرستی کا دور ہے، غلبۂ دین کا دور نہیں ہے بلکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے لیکن اس کے باوجود آٹے میں نمک کے برابر ایک قلیل گروہ صوفیائے باصفا اللہ اور رسولؐ کے پیغام کو عام کرنے اور تزکیۂ نفوس کے نیک کام میں مشغول ہے اور لوگوں کے لئے رُشد وہدایت کا کام کرتا ہے اور تصوف کے ساتھ ساتھ شریعت کی آبیاری میں بھی مشغول ہے۔ تصوف چونکہ اسلام سے کوئی الگ چیز نہیں ہے اس لئے صوفی حضرات شریعت اور طریقت دونوں کی سربلندی کی کوششوں میں مشغول ہیں۔ شریعت وطریقت کے بارے میں ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کا خیال ہے:

''تصوف خالصتاً اسلامی ہے اور روحِ اسلامی کا معتبر اظہار ہے۔'' 3

---

1 قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کی حقیقت، صفحہ 36۔ 1 سلوک اور تصوف کا عملی دستور، صفحہ 85۔

2 تصوف اور شریعت، صفحہ 89

اکثر صوفیائے کرام اُس طریقت کو باطل سمجھتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہو وہ شریعت کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ ہر قدم اتباع سنت میں اُٹھانا اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں اور جو صوفی شریعت کی حدود کی پاسداری کا لحاظ نہ رکھتا ہو اُسے اپنی برادری میں شمار ہی نہیں کرتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ شریعت وطریقت میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ مانتے ہیں کہ طریقت کی راہ شریعت سے نکلی ہے۔ وہ شریعت وطریقت کو ایک دوسرے کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں۔ شریعت پر عمل کئے بغیر طریقت میں قدم رکھنا بے معنی اور بے سود سمجھتے ہیں۔ ہر نماز کے لئے وضو کرنے کو شریعت اور ہمیشہ باضو رہنے کو طریقت سمجھتے ہیں۔ نماز کے لئے قبلہ رو ہونا شریعت اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو طریقت سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں سید خورشید احمد گیلانی حضرت شیخ عبداللہ انصاری کی رائے کو یوں نقل کرتے ہیں:

''ہر چند کہ شریعت سر بسر حقیقت اور حقیقت تمام شریعت، حقیقت کی بنیاد شریعت ہے، شریعت حقیقت کے بغیر اور حقیقت شریعت کے بغیر بیکار ہے اور عمل کرنے والے دو کے بغیر بے کار ہیں۔'' [1]

صوفیائے باصفا امر ونواہی کی پابندی کرنے والے، حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے اور شریعت کی پاسدکاری کرنیوالے لوگ ہیں۔ شیخ بایزید بسطامی کا قول ہے:

''اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اُسے کرامات دی گئی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو پھر بھی تم اُسے دھوکہ نہ کھانا۔ یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر ونواہی کی پابندی، حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی پاسداری میں کیسا ہے۔'' [2]

تصوف حضورِ قلب پیدا کرنا چاہتا ہے، تصوف نے دنیا کو مخلص، باخدا، بے ریا، راست باز، غیور، متوکل، صابر وشاکر اور سادہ انسان مہیا کئے ہیں۔ تصوف نے لوگوں کو بنیادی سرچشموں یعنی قرآن وحدث کی تعلیمات سے روشناس کرایا، لوگوں کو توبہ وانابت، زہد ورع خشوع وخضوع اور تسلیم ورضا کے ساتھ ساتھ فقر وقناعت اور ایثار واخلاص کی تعلیم دی۔ اہل تصوف کی سیرتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں توکل رچا بسا تھا، مال واسباب رکھنے کے باوجود فقر کو ترجیح

1۔ روح تصوف، صفحہ 59۔ 2۔ ایضاً، صفحہ 57

دیتے تھے اور دولت کے پجاری اور دنیا پرست نہیں تھے، گھاس پھوس کے جھونپڑے میں پیوند لگے لباس کے ساتھ زندگی گذارنا معیوب نہیں سمجھتے تھے، روکھی سوکھی پر گذارہ کرنے والے قانع فقیر تھے متقی اور پرہیزگار تھے۔

حضرت سلطان باہوؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''تصوف کے معنی مکمل توحید جاننے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے تصوف کے صفائے دل کے ہیں اور تصوف کا علم چار مسلک پر منسلک ہے کہ جس مقام میں چار گواہ اور چار راستے ہیں۔ اب ہر ایک مسلک کی تعریف ملاحظہ ہو یعنی اوّل مسلک سلوکِ تصوف میں خاص الخاص ہے جس کا تعلق شریعت ہے اور دوسرا مسلک سلوکِ تصوف میں بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اس کا مقام، مقامِ طریقت سے ہے، تیسرا مسلک سلوکِ تصوف میں حقائق نکات سے ہے جس کا تعلق مقامِ حقیقت سے ہے چوتھا مسلک تصوف میں توحید سے ہے جس کا تعلق مقامِ معرفت سے ہے۔

علم توحید کا تعلق علم فقہ سے ہے اور علم فقہ کا تعلق علم حیاء کے ساتھ ہے اور علم حیاء کا تعلق محبتِ مولا اور دردِ محبت کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم تصوف ہر علم پر اولیٰ ہے اس واسطے کہ علم تصوف توحید بالایمان ہے۔'' 1

فقیر یعنی صوفی کی تعریف حضرت سلطان باہوؒ نے اپنے نرالے انداز میں یوں کی ہے:

''فقیر (صوفی) اُس کو کہتے ہیں کہ جو شریعت کا عالم اور طریقت کا شہسوار ہو۔ اور مقامِ حقیقت کا ناظر اور مقامِ معرفت کا جاننے والا ہو اور دنیا کا بوجھ اُٹھانے والا ہو۔'' 2

جو صوفی دین میں ظاہر و باطن کی تفریق کے قائل نہیں ہیں ان کی رائے ہے کہ علم و باطن یا علم تصوف خود ایک شعبہ ہے علم شریعت کا کیونکہ شریعت اصلاح ظاہر و باطن کے طریقے کو جاننے کا نام ہے۔ اصلاح ظاہر یہ کہ اقوال و افعال درست کرنے اور اصلاحِ باطن یہ کہ عقائد و اخلاق

1 محک الفقراء کلاں، صفحہ 52۔ 2 محک الفقراء کلاں، صفحہ 59۔

درست کرے۔اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانوی کے خیالات کو ڈاکٹر عبیداللہ فراہی نے اپنے انداز میں یوں قلمبند کیا ہے:

''اسی وجہ سے مولانا نے ان صوفیوں پر تنقید کی ہے جنہوں نے شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھا اور حقیقت کو اصل مقصود اور شریعت کو انتظامی قانون اعتقاد کرلیا۔ وہ قرآن وسنت کو ہر چیز کا جامع تسلیم کرتے ہیں جن میں تمام امور کی تعلیم نہایت واضح الفاظ میں دی گئی ہے۔ان کی رائے میں شریعت مطہرہ کافی وافی اور دوسری کتب وحکم وقوانین وتعالیم سے مستغنی کردینے والی ہے چنانچہ طریقت ومعرفت اور حقیقت وغیرہ کے متعلق اُنھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔'' 1

علامہ محمد اقبال حضرت مجدد الف ثانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تصوف شعارِ فقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔'' اسلامی اقوال کی تاریخ میں ایسے بزرگ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے جن کی زندگی کا نصب العین یہی خلوص رہا ہے۔ان کی زندگیاں عام مسلمانوں کے لئے نشان راہ کا کام دیتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ ابدالاباد تک جاری رہے گا۔ یہ بزرگ حقیقی معنوں میں جانشینانِ پیغمبرؐ ہیں۔'' 2

اس میں کوئی شک نہیں کہ تصوف خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یہ روح انسانی کی شفاعت اور فطرت کی بازیافت کا سفر ہے۔ یہ صحت فکر اور حسن عمل کا آفاقی معیار ہے اور فقہ کا جوہر اور شریعت کا جادہ ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تصوف اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے۔تصوف اسلام کی شیرازہ بندی کا داخلی عنصر ہے جو عقائد اور اعمال اور شریعت کے دیگر تمام اجزاء میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔ فقہ اور تصوف کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ایک حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا منزل تک پہنچاتا ہے۔ شریعت احکام کا علم ہے اور تصوف ان پر عمل کی تحریک ،فقہ اور شریعت سے اچھی عادات پروان

---

1 تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ،صفحہ 135۔ 2 تاریخ تصوف ترتیب پروفیسر صابر کلوروی،صفحہ 91

چڑھتی ہیں تو تصوف انہیں استقامت میں ڈھالتا ہے۔ فقہ سے کردار نشو ونما پاتا ہے تو تصوف اُسے جذبوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ اسی لئے شیخ مجدد الف ثانی بہ بانگ دُہل اور بہ آواز بلند یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''شریعت سہ جُزواست، علم وعمل واحسان۔ تا این ہر سہ جز و متحقق نشود شریعت متحقق نشود'' یعنی شریعت اسلامیہ کے تین جُز ہیں علم، عمل اور احسان۔ جب تک یہ تینوں اجزاء اکٹھے نہ ہوں شریعت قائم نہیں ہوتی۔ اس بارے میں مولانا محمد اویس ندوی لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی ملا حاجی لاہوری کو تحریر کرتے ہیں ک شریعت کے تین حصے ہیں، علم وعمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی ہے۔ جب شریعت متحقق ہوتی ہے حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجاتی ہے جو کہ تمام دنیاوی اور اُخروی سعادتوں سے بالا تر ہے۔ طریقت وحقیقت جس سے کہ صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں دونوں شریعت کے تیسرے حصے یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس ان دونوں یعنی طریقت وحقیقت کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لئے کی جاتی ہے۔ احوال اور مواجید اور علوم ومعارف جو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد سے نہیں ہیں۔ ان سب سے گذر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہئے جو کہ سلوک کا آخری مقام ہے۔ اس لئے طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد تحصیلِ اخلاص کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اخلاص ہی سے مقام رضا حاصل ہوجاتا ہے۔'' 1

صوفیہ کے اوقات ہمیشہ دین مبین کی سر بلندی میں صرف ہوتے ہیں اور خود بھی شریعت محمدیہؐ پر چلتے ہوئے رضائے الٰہی کے طلبگار رہوتے ہیں۔ اُن میں اور محدثین وفقہا میں کئی باتیں مشترک ہوتی ہیں اسی لئے عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''بہت سے اُمور تو صوفیہ اور محدثین اور فقہا کے درمیان مشترک ہی ہوتے ہیں۔ جو عقائد ان کے ہوتے ہیں وہی اُن کے بھی، کتاب اللہ اور سنتِ نبویؐ کی پیروی یہ اور وہ دونوں اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں۔ علوم وفنون سے جس طرح وہ

---

1 تصوف کیا ہے۔ صفحہ 65-64۔

کام لیتے ہیں یہ بھی کام لیتے ہیں۔'' 1

ابونصر سراج کا خیال ہے کہ صوفیہ کے تذکرے سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے کیونکہ انہی کو قرآن مجید میں کئی ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں ایسے الفاظ وعبارات بکثرت آتے ہیں جن سے مراد اہلِ تصوف ہی ہیں مثلاً صادقین وصادقات، قانتین وقانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، محسنین، خائفین، شاہدین، ذاکرین، صابرین، راسخین، متوکلین، اولیاء، مصطفین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات، مشاہدین۔'' 2

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن وسنت کے سوا کوئی اور راستہ سلوک کا نہیں ہے اور شریعت وطریقت ایک ہیں اس میں کوئی تفریق کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلے میں مولانا سید احمد عروج قادری لکھتے ہیں:

''واضح رہے کہ شریعت وطریقت کی یہ تفریق اور علم ظاہر وباطن کی یہ اصطلاح صرف بعد کے گمراہ صوفیوں کی ایجاد ہے ورنہ اکابر صوفیہ کا دامنِ تقدس اس سے پاک ہے۔ ان حضرات نے صاف صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ شریعتِ محمدیؐ اور کتاب وسنت کے سوا سلوک کا کوئی راستہ نہیں۔'' 3

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا خیال ہے کہ تصوف کتاب اللہ اور سنت کی شرح کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ شریعت وطریقت ایک ہیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ علم حدیث بالذات ہر چیز پر مقدم ہے لیکن حقیقت میں تصوف کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہؐ کی شرح ہے مختصر یہ کہ علمائے کرام نے تصوف کو قرآن مجید کی اصطلاح میں تزکیۂ نفس، حدیث کی اصطلاح میں احسان اور بعض علمائے متاخرین نے اس کو فقہ باطن بھی کہا ہے۔'' 4

---

1 اسلامی تصوفف، صفحہ 30۔ 2 تصوف اسلام، بحوالہ کتاب اللمع، صفحہ 33۔ 3 تصوف اور اہل تصوف، مرتب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، صفحہ 363۔ 4 بحوالہ سید محمد ریاض قادری (ذخیرۃ الملوک) اُردو ترجمہ، صفحہ 14

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں مرج البحرین میں:

''یہ گمان نہ کریں کہ طریقۂ تصوف کا مخالف مذہب شریعت اور کتاب وسنت کے ہے۔ حاشا وکلا ہرگز دونوں فرقوں میں سرِ مُو مقابرت نہیں اور نہ کسی قسم کی باہم مباہنت ہے۔'' 1

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کی تربیت فرمائی اور حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت فرمائی۔ سورۂ بقرہ میں ہے **وَیُــزکیھــم** یعنی آپ ان کو ستھرا اور پاک بنائیں مطلب یہ کہ تزکیہ نفس کی ترغیب دیں جس سے محبت الٰہی بڑھتی ہے اور دل میں خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے، دل سنور جاتے ہیں اور یہی کامیابی، کامرانی اور فلاح کی نشانی ہے کیونکہ جس کا اللہ سے واسطہ ہو اس کی روح تروتازہ رہتی ہے کیونکہ **اِلا یـذکـر اللّٰہ تطمئن القلوب** سورۂ رعد میں گواہ ہے یعنی جان لو کہ اللہ کی یاد اور ذکر کے ساتھ دِلوں کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور یاد اللہ اور ذکر الٰہی دلوں کے لئے شفاء ہے کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ذکر اللہ شفاء قلوب۔ یہی شریعت ہے اور یہی طریقت بھی ہے۔ طریقت میں ذکر الٰہی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے اور صوفی حضرات ہمہ تن ہمہ وقت ذکر واذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی صوفی کے مقرب الٰہی ہونے کو پرکھنے کے لئے ہمارے پاس شریعت کی کسوٹی ہے۔ جتنا کوئی صوفی خلوص کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا ہوگا اور اتباعِ سنت میں استقامت دکھائے گا اتنا ہی وہ مقرب الٰہی ہوگا۔ جن لوگوں نے شریعت کے علاوہ کسی اور باطنی طریقے کو معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا اُنہوں نے ایسے لوگوں کو صوفیاء کی صف میں کھڑا کر دیا جن کے خیالات اسلامی تعلیمات کے خلاف اُمتِ مسلمہ کے لئے بہت مُضر ہیں۔ صوفی باصفا ہر وقت دین کی سربلندی کے لئے جان نثار کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ وہ کبھی اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے اور کبھی جہاد اکبر میں مصروف ہوتا ہے، کبھی قلم سے جہاد کر رہا ہوتا ہے اور کبھی زبان سے یہی فریضہ ادا کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی وہ اللہ کی راہ میں مال نثار کر رہا ہوتا ہے اور کبھی خدمتِ خلق میں مشغول ہوتا ہے۔ کبھی قرآن پاک کی تلاوت سے اپنے دل کا زنگار دور کر رہا ہوتا ہے اور کبھی بیواؤں، مسکینوں ناداروں اور محتاجوں کی مدد اور خبر گیری میں مصروف ہوتا ہے، کبھی وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے تگ ودَو کرتا رہتا ہے اور کبھی کسی کے جنازے کو کندھا دے کر

سنتِ رسولؐ کی اتباع کر رہا ہوتا ہے۔کبھی حلال روزی اور کسب معاش میں مصروف ہوتا ہے اور کبھی سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا رہا ہوتا ہے۔کبھی اللہ کے لئے کسی سے دوستی کر رہا ہوتا ہے تو کبھی اللہ کے خاطر کسی سے دشمنی کر رہا ہوتا ہے۔الغرض صوفی کی زندگی کا ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بسر ہوتا ہے۔اس طرح وہ گفتار کا غازی نہیں کردار کا غازی ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ایسے ہی باایمان اور دیندار صوفیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے ڈھونڈ نا ہوتو مومنوں کے دلوں میں ڈھونڈو۔اس ضمن میں مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در دلِ مومن بہ گنجم اے عجب
گر مرا جوئی دران دل ہاطلب [1]

ایسے اوصاف سے متصف صوفی کو ہی مومن کہتے یں اور ان سے کسی کو نہ تکلیف پہنچتی ہے اور نہ ہی کوئی نقصان۔ایسے ہی لوگ خندہ پیشانی سے تکالیف برداشت کرتے ہیں اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اُن کی زبان اور اُن کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ہے۔وہ صدق و صفا کے پیکر ہوتے ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں شریعت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ایسے ہی صوفی اور مومن ہر لحظہ خدا کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں، دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بے نیاز مالک کے خاص بندے ہوتے ہیں۔یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کا محتاج سمجھتے ہیں۔اسی لئے دنیا اور دنیا والوں کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں۔اُن کی نظر بلندیوں پر ہوتی ہیں اور اُن کی زندگی میں دنیا اور مالِ دنیا کی محبت اور حرص کے آثار نظر نہیں آتے ہیں۔اُنہیں دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہیں آفاق

حضرت ذوالنون مصری کا قول ہے:

''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کی علامت احکام وسنن اور افعال واخلاق میں اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کی پیروی ہے'' [1]

---

[1] اسلامی تصوف، مترجم ابومسعود اظہر ندوی، صفحہ 217

داراشکوہ اپنی کتاب میں شریعت وطریقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سلوک کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ شریعت سالک کے لئے لازم ہے کہ احکامِ شریعت کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جب اپنی اہلیت کے مطابق کوشش کرنے اور شریعت کی پیروی مستحکم ہوجائے تو احکام شریعت کی پیروی کی برکت سے اُس کے دل میں طریقت کا مرتبہ کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور پھر جب طریقت کے فرائض درست طور پر ادا کرے گا تو حق سبحانہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھوں سے شریعت کا پردہ اٹھادے گا اور حقیقت کے معنی اس پر ظاہر ہوجائیں گے جس کا تعلق روح سے ہے پس شریعت سے روحانی تعلق کی نگہداشت ہوتی ہے اور مرتبۂ طریقت کے حاصل ہونے کا سبب بنتی ہے اور طریقت بُری خصلتوں سے باطن کو پاک کرنے، مقام طریقت کو سمجھنے، فنائے وجود کی اصلیت کا ادراک کرنے، ماسوااللہ سے دل کو خالی کرنے اور درجۂ قرب حاصل ہونے کا موجب ہے۔'' [1]

مختصر یہ کہ شریعت پر عمل کئے بغیر طریقت پر چلنا ناممکن ہے۔ شریعت پر عمل کرنے اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے سے ہی صوفی اپنے نفس کا تزکیہ اور باطن کا تصفیہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جس کی بدولت اُسے قربِ الٰہی حاصل ہوجاتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **قَد اَفلحَ مَن زکھٰا** (کامیابی پاگیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) **وَقَد خَابَ مَن دَسّھٰا** (یعنی محروم رہا وہ جس نے اپنے نفس کو آلودہ کیا) یعنی محروم رہا وہ جس نے اپنے نفس کو آلودہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تزکیۂ نفس کی توفیق عطا فرمائے اور نفس امارہ پر قابو پانے کی صلاحیت بخشے اور اپنی ذکر میں مشغول فرما کر ہمیں دین اور دنیا کے ساتھ ساتھ عقبیٰ میں بھی سرخروئی سے نوازے، آمین۔

☆☆

[1] سکینۃ الاولیاء، صفحہ 103

عشق الٰہی

دنیا میں انسان کا وجود سب سے اہم تصور کیا جاتا ہے۔ انسان زمین پر اللہ کی ایک بہترین مخلوق ہے جسے اشرف المخلوقات کے لقب سے بھی نوازا گیا ہے۔ حضرت انسان کی رہبری اور رہنمائی کے لئے پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا جنہوں نے انسان کو قرب الٰہی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریق سکھائے۔ حضورؐ کو مبعوث فرمایا تو اُنہیں قرآن مجید عطا کر کے انسان کی ہدایت کا حکم دیا۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ ''اے پیغمبرؐ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا۔ (سورہ ال عمران)

اس بات کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

بہ مصطفیٰ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ اُو نرسیدی تمام بُو لہبی است

عبدالمغنی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''صاحب مدینہ کی محبت ہی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ اور کائنات پر چھا جانے کا وسیلہ ہے'' 1

خدا کی محبت اطاعت رسولؐ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی مردِ مومن اور صوفیائے باصفا کا شیوہ ہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو اللہ کے رسولؐ کی اطاعت اور پیروی کرے گا وہی سچا اور پکا مسلمان ہے۔ صحیح بخاری شریف میں درج ہے:

---

1 اقبال کا نظریۂ خودی، صفحہ 236

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد سے زیادہ نہ ہو۔'' 1

حضورؐ سے عشق و محبت سمندر میں کودنے اور ہتھیلی پر انگارے رکھنے کے مُترادف ہے۔ اُن سے عشق کرنا اِتنا آسان نہیں جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ سیار محمد سید قادری نے کیا خوب کہا ہے:

''جب کسی کی زبان سے محمدؐ کا نام سنا۔ یکدم انگوٹھے چومنے لگیں اور سر جھکا دیا۔ میلاد کے جلسوں میں شرکت کرنا اور ذکر ولادت کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا یا کسی درگاہ پر ایامِ معدودات تک کے لئے حاضری دے کر جبین سائی وغیرہ کرنا ہی عشقِ محمدؐ میں شامل نہیں ہے بلکہ عشق رسولؐ اپنے ساتھ بہت سے تقاضے رکھتا ہے۔ انہی تقاضوں کو پورا کرنے کا نام عشق ہے'' 2

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

بالِ جبریل میں بھی عشق کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع ودین بتکدۂ تصورات

مومن ہونے کی شرط اوّل محبت، ہوتی ہے۔ حضورؐ سے محبت کا دعویٰ یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپؐ کے فرمودات پر عمل کیا جائے اور آپ کی سنت کی پیروی کی جائے اور زندگی کے ہر معاملے میں حضورؐ کی فرمانبرداری کی جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''**مَن یُطِعِ الرَسُولَ ......اطاع اللّٰہ** ''یعنی جس نے رسولؐ کی اطاعت کی وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ کی اطاعت رسول اللہؐ کی اطاعت پر منحصر ہے اور جو رسول اکرمؐ کی اطاعت کے بغیر عشق الٰہی کے دَم بھرتا ہے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ عشقِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ کے بغیر عشقِ الٰہی کبھی حاصل نہیں

1 حدیث نمبر 13، جلد اوّل، صفحہ 113۔ 2 اقبال اور نظریۂ خودی، صفحہ 62

ہوسکتا اور یہ دولت حضورؐ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرنے اور زندگی کے ہر معاملے میں آپؐ کا اتباع کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے جب کوئی مسلمان ہر معاملے میں حضورؐ کی اطاعت کو اپنی عادت بنا تا ہے تو اس کی ساری زندگی عبادت بن جاتی ہے اور اُس کا ہر کام رضائے الٰہی کے مطابق ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص حضورؐ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو لیکن آپؐ کے بجائے غیروں کی اطاعت کرتا ہو تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا تصور ہوگا۔ حضورؐ سے محبت کا دعویٰ یہ نہیں کہ زبان سے آپؐ کی محبت کا دعویٰ کا جائے لیکن عملاً دوسروں کی غلامی کی جائے۔ آپؐ کے فرمان کو چھوڑ کر رسم ورواج کی پابندی کی جائے، توحید اختیار کرنے کے بجائے شرک وبدعت کا اختراع کا جائے بلکہ محبتِ محمدیؐ کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں آپ کی فرمانبرداری کی جائے۔ آپؐ کی سنت کو جان ودل سے زندہ کیا جائے یہی وہ راستہ ہے جو مسلمانوں کو مقامِ اعلیٰ اور بلند درجات تک لے جاسکتا ہے بقول علامہ اقبال ؎

کی محمد سے وفا تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

حضرت انس بن مالک سے ایک حدیث ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی نے نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''رسول اللہؐ نے فرمایا جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اُس نے خود مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔'' [1]

فرمانِ خداوندی کے لحاظ سے اطاعتِ رسولؐ فرض ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کو مساوی درجے کے طور پر ارشاد فرمایا ہے اور بشارت دی ہے کہ جو رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ فلاح اور کامیابی حاصل کرے گا۔ قرآن کریم میں رسول اللہؐ کی اطاعت اور اسوۂ حسنہ کے اتباع اور سنت رسولؐ کی کامل پیروی کا جابجا حکم دیا گیا ہے اور زوردار الفاظ میں تاکید فرمائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب مسلمانوں کو یہ کہہ کر بلایا جائے کہ آؤ خدا کا رسولؐ تمہارے معاملات کا

1۔ اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 25۔

فیصلہ فرمائیں گے تو ان پر لازم ہے کہ حاضر ہو جائیں یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔'' 1

حضورؐ کے فرمان کی پیروی فرض ہے۔آپؐ کے امر و نواہی کی پابندی کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے:

''رسولؐ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے دور رہو اور احتراز کرو۔'' 2

اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ کو دراصل ہم معنی قرار دیا گیا ہے اور اطاعتِ رسولؐ ہی دراصل اطاعت الٰہی ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ بلاشبہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔'' 3

جب مسلمان میں اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت سے عمل کر کے تھکان محسوس نہیں کرے گا کیونکہ اس کے دل کا جذبہ بہت سی مشقتوں کو اس کے لئے آسان بنا دے گا۔امام محمد الغزالی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ انسان اُس کے حکم کی فرمانبرداری کرے۔ اُس نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اُسے چھوڑ دے اور اُس کی خوشنودی کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ جب انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت سے عمل کر کے تکان محسوس نہیں کرے گا۔اللہ کے حقوق کی پامالی اور اُس کے رسولؐ کی پیروی بے قدری کے ساتھ اللہ سے محبت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا وہ اس کے رسولؐ کی ہر معاملہ میں اطاعت کرے گا۔'' 4

حضورؐ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔آپؐ خدا کے محبوب ہیں۔عشق الٰہی کے دعویٰ کرنے والوں کو پہلے اپنے اندر عشقِ رسولؐ پیدا کرنا پڑے گا تبھی وہ عشقِ الٰہی کے سچّے دعویدار بن سکتے ہیں۔یہ عشق کس چیز کا نام ہے؟ پہلے یہ جاننا ضروری ہے۔

---

1 سورہ نور۔ 2 سورہ حشر۔ 3 سورہ نسا۔ 4 اسلامی تصوف، صفحہ 202۔

عشق کا لفظ نہ قرآن مجید میں اور نہ ہی حدیثِ مبارک میں کہیں دیکھنے میں آتا ہے البتہ تصوف اور ادبیات کی کتابوں میں یہ لفظ اکثر و بیشتر جگہ استعمال میں آیا ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

''قرآن مجید اور حدیث شریف میں عشق کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں ہوئی ہے۔ یہ لفظ علم النفس، تصوف، ادبیات وغیرہ کے علماء و شائقین نے اختیار کیا اور عرب و عجم سب نے عربی، فارسی ترکی، اردو اور دوسری اسلامی زبانوں میں بے تکلف اور بکثرت استعمال کیا۔'' 1

قرآن شریف میں عشق کے بجائے ''محبت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر لکھتے ہیں:

'' قرآن شریف میں عشق کے بجائے جہاں کہیں استعمال ہوا ہے''حُب'' یا ''محبت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے ''المرء مع من اَحب ''یا قرآن مجید میں آتا ہے''قُل اِن کنتُم تحبون اللّٰہ'' 2

امام غزالی عشق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محبت نام ہے پسندیدہ چیز کی طرف میلان طبع کا۔اگر یہ میلان شدت اختیار کر جائے تو اُسے عشق کہتے ہیں۔اس میں زیادتی ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ عاشق، معشوق کا بندہ بے دام بن جاتا ہے اور مال و دولت بلکہ سب کچھ اُس پر قربان کر دیتا ہے۔'' 3

اہلِ لُغت کہتے ہیں کہ محبت''حبہ'' سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنی تخم کے ہیں جو زمین پر گرتا ہے۔جس طرح میدان میں بیج کو بکھرا جاتا ہے اور مٹی میں چھپایا جاتا ہے پھر اس پر پانی برستا ہے آبیاری کی جاتی ہے اور جب وقت آتا ہے تو وہ تخم اُگتا ہے، پھل پھول دیتا ہے۔حضرت علی ہجویری لکھتے ہیں:

---

1 اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 16۔ 2 اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 16۔ 3 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 84۔

''اسی طرح جب محبت کا بیج دل میں جگہ پکڑتا ہے تو اُسے حضور وغیبت، مشقت، راحت ولذت اور فراق اور وصال کی کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔'' [1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ حُب ان چار لکڑیوں کا نام ہے جو باہم جڑی ہوتی ہوں جس پر آفتابہ رکھا جاتا ہے لہٰذا حُب اِسی لئے کہتے ہیں کہ محبت کرنے والا محبوب کی عزت وذلت رنج وراحت، بلا ومشقت اور جفا ووفا کو برداشت کرتا ہے۔'' [2]

ایک اور جگہ محبت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''حُب ایسا نام ہے جو محبت کی صفائی کے لئے وضع کیا گیا ہے اِسی لئے اہل عرب انسان کی آنکھ کی صفائی و''حُبة الانســان'' کہتے ہیں جس طرح دل کے نکتہ کی صفائی کو''حبۃالقلب'' کہتے ہیں۔'' [3]

محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

''محبت (عشق) ایک کششِ مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی طرف کھینچتی ہے۔ کسی میں حُسن وخوبی کی ایک جھلک دیکھ لینا اور اُس کی جانب طبیعت کا مائل ہوجانا، دل میں اُس کی رغبت، اس کا شوق اُس کی طلب وتمنا اور اس کے لئے بے چین ہوجانا، اس کے خیال میں شب وروز رہنا، اُس کی طلب میں تن من دھن سے مُنہمک ہونا، اُس کے فراق سے ایذا پانا، اُس کے وصال سے سیر نہ ہونا، اُس کے خیال میں اپنا خیال، اس کی رضا میں اپنی رضا، اُس کی ہستی میں اپنی ہستی کو گُم کردینا یہ سب عشق ومحبت کے کرشمے ہیں ؎

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جانان بودن
دل بہ دستِ دیگری دادن وحیران بودن [4]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ 42-439۔ [2] ایضاً، صفحہ 42-439

[3] کشف المحجوب، صفحہ 42-439۔ [4] اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 17-16

(عاشقی کیا ہے؟ کہو معشوق کا غلام بن جانا اور دل کو دوسرے کے حوالے کر کے حیران و پریشان ہونا)

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ عشق ایسی آگ ہے جو محبوب کے علاوہ ہر چیز کو جو غیر ہو جلا ڈالتی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ راہِ طریقت میں اللہ تعالیٰ صوفی کو ایک خاص چیز عطا کرتا ہے جس کو عشق کہتے ہیں اور عشق کو تصوف میں وہی مقام حاصل ہے جو جان اور روح کو جسم میں حاصل ہے۔ یہ لوگ عشق کو ایک فطری اور طبعی جذبہ سمجھتے ہیں۔ عشق کی حکومت کو عالمگیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام کائنات عشق کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ وہ محبت کو قلب کی طاقت، روح کی غذا اور جسموں کی جان سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے عاشق، معشوق کا غلام ہوتا ہے۔ صوفی لوگ محبت کو ایک جال سمجھتے ہیں جس میں عاشق ہمیشہ پھنسا رہتا ہے اور کچھ اس کو ایک حال سمجھتے ہیں اور حال کو کسی بھی صورت میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ یہ اُن کے نزدیک ایک عطیۂ رحمانی ہے جو کسب و اختیار سے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ یہ قیل و قال سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اُن کے نزدیک عشق اُن کا امام اور عقل اُن کی غلام ہے ؎

عشق است امام من
عقل است غلام من

کچھ مشائخ حضرات کا خیال ہے کہ علم اور عشق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کے مطابق اگر فقط علم ہو تو انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے اور اگر صرف عشق ہی ہو تو انسان بدعات کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ علم عشق کو متوازن رکھتا ہے اور عشق کی وجہ سے علم میں تواضع پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کامل صوفی وہ ہے جس میں کیف علم بھی ہو اور سوزِ عشق بھی۔ صوفیا کا دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی غمِ دل موجود تھا اس تمام غم کو ایک جگہ جمع کیا گیا اور اُسی کا نام عشق رکھ گیا ؎

بہ عالم ہر کجا دردِ دلے بود
بہم کردند و عشقش نام کردند

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

''محبت ایک طبعی اور فطری جذبہ ہے جس کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف

حالات میں مختلف کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض محبتیں طبعی اور بعض اکتسابی ہوتی ہیں۔'' 1

صوفیاء کا خیال ہے کہ محبت ہی غذائے قلب ہے، محبت ہی غذائے روح ہے۔ محبت ہی قرۃُ عین ہے، محبت ہی حیات الابدان ہے، محبت ہی دل کی زندگی، زندگی کی کامیابی، کامیابی کو دوام و بقا بخشنے والی، غرض محبت ہی سب کچھ ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ محبت سے علاقہ پیدا ہوتا ہے یعنی دل کسی جانب مائل ہوتا ہے، اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے، اب کشش اور جذب پیدا ہوتا ہے اس کے بعد سوزش اور ہر وقتی جلن، اس کے بعد پیار پیدا ہوتا ہے اور وَداد سے دل آشنا ہوتا ہے اور محبت کا اثر قلب تک پہنچ جاتا ہے اور محبت کی شدت سے عشق پیدا ہو جاتا ہے پھر مصائب کی برداشت آ جاتی ہے، قرب کی لگن پیدا ہوتی ہے، محبوب کے علاوہ سب تصورات ختم ہو جاتے ہیں، معشوق کی محبت دل پر حکمران ہو جاتی ہے۔ یہ حالت عشق، عاشق، کو بے قرار اور ناشکیبا بنا دیتی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

> ''شیخ ابوعبداللہ القرشی فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب پر اپنی ہر چیز قربان کر دو اور تمہارے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' 2

حضرت جنید بغدادی سے جب محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا:

> ''عاشق کا اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات کا قبول کر لینا محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم اور مطلب ہے۔ جب محبت صفا اور کمال کے درجے پر پہنچ جائے تو وہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔'' 3

شیخ ابوالحسن وراق کے قول کو شہاب الدین سہروردی نقل کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

> ''اللہ کی شدید محبت سے ایک سرور خاص حاصل ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ محبت دل میں اس آگ کے مانند ہے جو ہر گندگی کو (کوڑے کرکٹ) کو جلا دیتی ہے۔'' 4

---

1 اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 17۔ 2 عوارف المعارف، صفحہ 673۔

3 عوارف المعارف، صفحہ 674۔ 4 عوارف المعارف، صفحہ 673

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے ایک حدیث درج ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے:

''حضورؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو پکارتا ہے فلانے شخص سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اُس سے محبت رکھ، جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور سارے آسمانوں کے فرشتوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ وہ سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والے بھی اس کو مقبول سمجھتے ہیں۔'' 1

امام محمد الغزالی حضرت سفیان ثوری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احترام کرنے والے کا احترام کرتا ہے وہ اللہ کا احترام کرتا ہے۔'' 2

اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے اور وہ اپنے دوستوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ہر برائی سے بچاتا ہے۔ عروج احمد قادری اس بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''قرآن میں عدو کے مقابلے میں ولی اور اعداء کے مقابلے میں اولیاء کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے اور مومن اللہ کے دوست ہیں۔ شیطان کفار کا دوست ہے اور کفار شیطان کے دوست ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو کُفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے دوست شیطان ہیں اور وہ اُنھیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔'' 3

حضرت امام غزالی کہتے ہیں کہ خدا کے حقوق کو پامال کرنے اور اطاعتِ رسولؐ کی

---

1 صحیح بخاری شریف، مترجم جلد سوم، حدیث 422، صفحہ 250۔ 2 مکاشفۃ القولب، صفحہ 94۔

3 تصوف اور اہل تصوف، صفحہ 208

پیروی کے بغیر محبت اور عشق رسولؐ اور عشقِ الٰہی کا دعویٰ باطل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پامالی اور اُس کے رسولؐ کی پیروی کی بے قدری کے ساتھ محبت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا وہ اس کے رسولؐ کی ہر معاملہ میں اطاعت کرے گا۔'' 1

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مومنوں کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں، اُس کی عبادت کریں اور اُس کی رضا کے طلبگار رہیں۔'' 2

عاشق کی پہچان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عاشق میل ملاپ سے دور، تنہائی پسند، غور وفکر میں ڈوبا ہوا اور چُپ چاپ رہتا ہے۔ جب اُسے دیکھا جائے وہ نظر نہیں آتا۔ جب بلایا جائے تو سنتا نہیں، جب بات کی جائے تو سمجھتا نہیں اور جب اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو غمگین نہیں ہوتا، وہ بھوک کی پروا اور برہنگی کا احساس نہیں رکھتا، کسی کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوتا، وہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتا ہے اس کی رحمت سے اُنس و محبت رکھتا ہے، وہ دنیا کے لئے دنیا والوں سے نہیں جھگڑتا۔'' 3

عاشق کے بارے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مجنوں سے کسی نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے، بولا لیلیٰ۔ ایک دن کسی نے اس سے کہا کیا لیلیٰ مرگئی؟ مجنوں نے جواب دیا لیلیٰ نہیں مری وہ تو میرے دل میں ہے اور میں ہی لیلیٰ ہوں۔'' 4

چونکہ عشق غیر فانی ہے اس لئے وہ عاشق کو بھی غیر فانی بنا دیتا ہے۔ عشق انسان کو یہ حکم دیتا ہے کہ دولت، ثروت، شہرت اور حکومت یہ سب چیزیں عارضی اور فانی ہیں اور عشق دنیا سے مطلب نہیں رکھتا۔ انسان کا مقصودِ حیات یا نصب العین یہ ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عاشق (بندۂ خاص بن سکے۔ بقولِ علامہ اقبال کائنات کی زندگی کا انحصار عشق پر ہے چنانچہ سالماتِ عالم میں اِسی کی

---

1 اسلامی تصوف، صفحہ 202۔ 2 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 81۔ 3 ایضاً صفحہ 87۔ 4 ایضاً 85

بدولت امتزاج کی صفت (جذب کی قوت پیدا ہوئی اور یہ کائنات کشش باہمی کی بدولت قائم ہے اور کشش عشق ہی کی فعلیت کا دوسرا نام ہے اور عشق کا انحصار ہمارے دل کے سوز پر ہے اور ہمارے دل میں یہ سوز وگداز لاالٰہ الا اللہ کی بدولت پیدا ہوا ۔

عشق آئین حیاتِ عالم است
امتزاج سالماتِ عالم است
عشق از سوزِ دل مازندہ است
از شرارِ لاالٰہ الااللہ تابندہ است [1]

علامہ اقبال اور دیگر مشائخ عظام کے مطابق قرآن کریم کی تعلیمات کا لبِ لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق، رزاق اور مالک ہے اس لئے کسی اور کو اس کائنات پر حکمرانی کا حق نہیں ہے۔ پس ہر انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اُس کے سوا کسی اور کی اطاعت وعبادت نہ کرے۔ مسلمان کو اپنی ذاتی قابلیت اور استطاعت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو مدِنظر رکھ کر اللہ کے محبوب کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو کر اللہ کی اطاعت کرنی چاہئے۔ لہٰذا جس مسلمان میں سرکار دوعالمؐ کی سیرت کا عکس جلوہ گر نہیں ہے تو پھر حضورؐ کی اُمت میں کیسے شامل ہوسکتا ہے ۔

مگسل از ختمِ رُسل ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و برگامِ خویش [2]

آپؐ نے بنی آدم کو کفر وشرک کوکب پرستی، اوہام پرستی، وطن پرستی، نسل پرستی، حیوان پرستی، غرضیکہ تمام نجاستوں سے پاک کردیا اور مسلمان کو ایسا دستور العمل اور آئین دے دیا جس نے انسان کو زندگی کے ہر شعبہ میں عقل وخرد سے کام لینا سکھادیا۔ سرکار دوعالمؐ اس کائنات میں صفات ایزدی کے سب سے بڑے مظہر ہیں۔ شانِ فقر آپؐ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ آپؐ نے مشرکوں کو مواحد اور بدکاروں کو نیکوکاری کے اعلیٰ مقام پر پہنچادیا۔ ہمارے نظامِ حیات میں رسولؐ اکرم کی ذاتِ گرامی روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ آفتابِ مصطفویؐ کے انوار وتجلیات کی

---

[1] رموز بیخودی، صفحہ 210۔ [2] ایضاً، صفحہ 267

ایک کرن اگر نصیب میں آ گئی تو سمجھو سب کچھ مل گیا۔ جب تک اس کا سوز انسان میں ہے اُسی وقت تک اُسے حقیقی زندگی میسر ہے۔ آپؐ کی محبت تو وہ ہے جو بے جان چیزوں کو بھی آپؐ کے لئے بے تاب و بے قرار رکھتی تھی۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث درج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ جمعہ کے دن ایک درخت یا ایک کھجور کی ڈالی سے ٹیکا دے کر کھڑا ہوا کرتے تھے اور خطبہ سناتے۔ انصار کی ایک عورت یا ایک مرد نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ ہم آپؐ کا منبر نہ بنوادیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تمہاری مرضی۔ پھر اُنہوں نے منبر تیار کیا۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ درخت نے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا جیسے بچہ چلا چلا کر روتا ہے۔ آنحضرتؐ منبر سے اُترے اور اُس درخت کو سینہ مبارک سے لگایا تب وہ اس بچہ کی طرح باریک آواز کرنے لگا جس کو تسلی دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا درخت اس بات پر روتا ہے کہ پہلے اس کا ذکر سنا کرتا تھا۔'' [1]

حضور نبی اکرمؐ سے شجر، حجر اور پہاڑ محبت کرتے تھے اور آپؐ اُن سے محبت کرتے تھے۔ اس بارے میں صحیح بخاری شریف میں حدیث درج ہے جس کا مفہوم یوں ہے:

''حضرت عباس بن سہیل نے ابوحمید سے انہوں نے آنحضرتؐ روایت کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔'' [2]

اسی طرح اسی مفہوم میں ایک اور حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

''آنحضرتؐ نے فرمایا اُحد پہاڑ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری شریف، مترجم حدیث 96-795-794، صفحہ 399 جلد سوم۔

[2] صحیح بخاری شریف، صفحہ 603۔ [3] ایضاً حدیث نمبر 1247، صفحہ 604

جب حجر اور شجر حضورؐ سے اتنی محبت کرتے ہیں تو ہمیں اُمتی محمدؐ ہو کر دل و جان سے ان کی محبت میں گرفتار ہونا چاہئے۔ علامہ اقبال اسی لئے رموز بیخودی میں کہتے ہیں ؎

طرحِ عشق انداز اندر جانِ خویش
تازہ کن با مصطفیٰؐ پیمان خویش

ایک اور جگہ بانگ درا میں یوُں کہتے ہیں ؎

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

عشق ایک ایسی دولت ہے جو انسان کو ہمیشہ زندہ و جاوید رکھے گی ؎

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق

صحابہ کرامؓ عشق رسولؐ میں اس قدر غرق تھے کہ اُنہیں حضورؐ کی محبت میں ایک لمحہ کی جدائی اور دوری موت سے زیادہ اذیت ناک محسوس ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر حضرت ثوبان کا عشقِ رسولؐ کے بارے میں ایک واقعہ پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی نے اپنی کتاب میں یوں درج کیا ہے:

''صحابی رسولؐ حضرت ثوبان کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ آپ اکثر بیمار رہنے لگے، طبیعت دن بہ دن بگڑتی چلی گئی۔ صحابہ کرامؓ اُن سے پوچھتے کیا تکلیف ہے تو دل کا حال نہ کہتے اور اپنے ہمدردوں کا شکریہ ادا کرکے ٹال دیتے۔ ایک دن حضورؐ نے طبیعت کا حال پوچھا تو صاف گوئی کے سوا چارہ نہ رہا۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ ایک خیال دل میں آتا ہے تو طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ حضورؐ نے پوچھا کیا خیال آتا ہے۔ حضرت ثوبان نے کہا۔ اب زندگی میں جب تک آپؐ کو نہیں دیکھ لیتا چین نہیں آتا ہے، سوچتا ہوں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے جنت بھی دے تب بھی نہ معلوم آپؐ کہاں ہوں گے اور میں کہاں۔ آپؐ کو دیکھے بغیر وہاں بھی تسکین کیسے حاصل ہوگی اور

معلوم نہیں وہاں آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کی کیا تدبیر کرنی ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا ثوبان تم جس سے محبت کرتے ہو اُسی کے ساتھ رہو گے پھر آپؐ نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرمائی جو اس موقع پر نازل ہوئی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہی رہیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہوگا یعنی وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ رہیں گے۔'' 1

امام غزالی لکھتے ہیں:

''رسول اللہؐ نے فرمایا مجھ سے وہ شخص قریب تر ہے جو سب سے بہتر اخلاق رکھتا ہو، نرم خُو، خوش خلق ہو۔ ایسا کہ لوگ اُس سے محبت کریں اور وہ لوگوں سے۔'' 2

اس سلسلے میں بخاری شریف میں بھی ایک حدیث درج ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی قیامت میں اُس کے ساتھ رہے گا جس سے محبت رکھتا ہو۔ اس حدیث کو ابو موسیٰ اشعری، سفیان ثوری، ابو معاویہ اور محمد بن عبید نے بھی روایت کیا ہے۔'' 3

امام غزالی لکھتے ہیں:

''مستحقِ محبت خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خالق و ربّ ہے پھر یہ کہ وہی دوام، بقا اور سلامتی کا سبب ہے اور ہر حال میں محسن ہے، وہی جمیل وحسین ہے اور سارے جمال اُسی کے عطیہ سے ہیں۔'' 4

امام غزالی حضرت سہیلؒ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

'' حُب خدا کی نشانی حُب قرآن ہے، حُب خدا اور حب قرآن کی نشانی حبِ نبیؐ ہے اور حب نبیؐ کی نشانی نبیؐ کی سنت سے محبت ہے اور حب سنت کی نشانی آخرت کی محبت ہے، آخرت کی محبت دنیا سے بغض کا نام ہے اور دنیا سے بغض کی

1۔ اقبال کا تصورِ دین، صفحہ 41۔ 2۔ المرشد الامین، صفحہ 115۔
3۔ صحیح بخاری شریف مترجم حدیث 1100۔ 4۔ المرشد الامین، صفحہ 253

نشانی معمولی مالِ دنیا پر راضی ہونا اور آخرت کے لئے دنیا کو خرچ کرنا ہے۔'' 1

حضور اکرمؐ کی ذات اقدس اس مردہ کائنات پر ابرِ رحمت بن کر برسی جس سے انسانیت کی یہ خزاں رسیدہ چمن سرسبز و شاداب ہوا اور حیات کے ظلمت کدہ میں روشنی پھیلی۔ آپؐ کی ذاتِ بابرکت ایک مومن کے لئے حقیقی ملجا و ماوا ہے۔ آپؐ کی محبت زندگی ہے اور کائنات کی ساری کامرانیوں کا راز عشق رسولؐ ہی میں پنہاں ہے۔ شاہ ابوالحسن نوری ایک جگہ لکھتے ہیں:

''فرض یہ ہے کہ تمام اعمالِ جوارح کو نیکیوں کے اکتساب اور شریعت کے اتباع اور سنت نبویؐ کی اقتداء کا آئینہ دار بنائیں اور یقین مانیں کہ ہر وہ روش جو اس راہ سے مخالف اور دُور دُور ہے لا واللہ ہرگز خدا کی طرف نہیں بلکہ شیطان کی حالت ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا
توان یافت جز در پئے مصطفیٰؐ 2

رسولِ اکرمؐ کی شریعت پر عمل کرنا ہی حقیقی عشق رسولؐ ہے اور دین یہی ہے کہ حضورؐ تک پہنچے میں دین اور شریعت کی پابندی کی جائے۔ علامہ اقبال اس ضمن میں کہتے ہیں ؎

بہ مصطفیٰؐ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی ست 3

شیخ شہاب الدین سہروردی اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ کی مناسبت سے حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں موجود ہوں تو وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ (۱) اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس کو اوروں سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) وہ کسی سے محض اللہ کے لئے محبت کرتا ہو۔ (۳) جب اللہ نے اس کو کُفر سے نجات عطا کر دی تو پھر وہ کُفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی بُرا سمجھے جتنا اپنا آگ میں ڈالا جانا۔'' 4

---

1 مکاشفۃ القلوب، صفحہ 94۔ 2 شریعت و طریقت، صفحہ 23۔ 3 کلیات اقبال (ارمغان حجاز) صفحہ 37
4 عوارف المعارف، صفحہ 669۔

حضرت نبی اکرمؐ کی محبت کو فانی چیزوں کی محبت پر ترجیح دینا مردمومن اور مرد صوفی کا شیوہ رہا ہے اور مسلمان وہی ہے جو کسی فانی شئے کو محبوب نہ بنالے۔ اس بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چستی لکھتے ہیں:

مسلمان وہ ہے جو کسی فانی شے کو محبوب نہ بنالے اور چونکہ کائنات میں ہر شئے فانی ہے اس لئے وہ کسی شے کو محبوب نہیں بنا سکتا۔ بہ الفاظ دیگر غیر اللہ سے محبت کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔'' 1

مردمومن اور صوفی کو جو مقام عشق رسولؐ اور اطاعت الٰہی سے حاصل ہوجاتا ہے اُس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ عشقِ رسولؐ کی برکت سے غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے نجات ملتی ہے، روحانیت میں ترقی ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی بھی کھُلتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھُلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی 2

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی عشق کی طاقت اور اس کے خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''عشق کی برکت سے عاشق کو بے پناہ قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ ابوالوقت اور ابوالحال بن جاتا ہے۔ نفس وآفاق اس کے زیرنگین ہوتے ہیں۔ اور وہ جن وملائکہ کو صیدِ زبوں سمجھنے لگتا ہے ؎

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین وآسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں'' 3

صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ قرآن وسنت سے باہر کوئی بھی عمل اختیار نہیں کرتے ہیں اور عشق رسولؐ میں اپنے آپ کو مست ومسرور رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی نے ساری عمر خربوز اس لئے نہیں کھایا

1 شرح ارموز بیخودی، صفحہ 133۔ 2 کلیات اقبال (بال جبریل) صفحہ 45۔ 3 اقبال اور محبت رسولؐ، صفحہ 20

کیونکہ آپ کو معلوم نہ ہوسکا کہ نبی کریمؐ نے یہ پھل کس طرح کھایا تھا۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اولیاء کرام اور صوفیائے باصفا سنت کی پیروی اور تقلید نبویؐ پر کس قدر سختی سے پابند تھے۔اگر ایسی اتباع کی جائے تو بلاشک اللہ تعالیٰ کی نوازشیں انسان پر نازل ہوسکتی ہیں۔علامہ اقبال نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے ؎

کاملِ بُسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوز کرد

رسول اللہؐ کو ہی اپنا پیر و مرشد اور ہادی تسلیم کرنے میں ہی عزت اور آبرو ہے اور یہی عشق رسولؐ ہے۔رسول اکرمؐ دونوں جہانوں کی کتاب کے دیباچے کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام جہان غلام اور حضورؐ آقا کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

نسخۂ کونین را دیباچہ اُوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اُوست

عشق رسولؐ مومن،صوفی اور مسلمان سے یہ تقاضا کرتا ہے ک اگر دنیا میں سربلندی حاصل کرنی ہے،کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہونا ہے،دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کرنی ہے تو اللہ سے محبت کرنے میں دل کو مشغول کرو اور محمد مصطفیؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو گے تو کامیابی قدم چومے گی۔علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دہر
بہ حق دل بند و راہِ مصطفیؐ رو

پیرانِ طریقت کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کی ذاتِ اقدس ایک بحرِ بیکراں ہے جس کی موجیں آسمان کو چھوتی ہیں اس لئے وہ بھی اس سمندر سے سیراب ہونے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تا کہ اُنہیں حیات نصیب ہوسکے۔وہ اپنی زندگی کا دارو مدار اسی عشق محمدیؐ کو تصور کرتے یں اور اُن کا دامن چھوڑنا اپنے لئے موت کے برابر سمجھتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ اطاعت رسولؐ اور عشق رسولؐ سے ہی اطاعت الٰہی نصیب ہوجاتی ہے۔وہ عبودیت کو عشق کی آخری حد تصور کرتے ہیں۔اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے جبکہ محبت ہر دعویٰ سے دستبردار ہو جاتا ہے۔
اس کا جسم، دل، تمنا، آرزو مراد سب کچھ بخوشی چھوڑ کر معبود کی عبودیت پر قانع و
شاکر ہوتا ہے۔ عبد کہلانا اس کی واحد آرزو ہو جاتی ہے۔'' [1]

اتباع رسولؐ اور تقلید نبویؐ چونکہ مسلمانوں پر فرض ہے اس لئے مسلمان کو سنت نبویؐ میں ڈوب کر خود شناسی حاصل ہونے پر دل کا سکون حاصل ہو جاتا ہے اور عبادت میں مزہ آ جاتا ہے۔ عشق رسولؐ سرِ دین بھی ہے اور وسیلۂ دنیا بھی۔ اس کے بغیر انسان نہ دین کا اور نہ دنیا کا۔ آنحضورؐ سے والہانہ شیفتگی اور سرفروشانہ عقیدت ایمان کی بنیادی اساس ہے، یہی حدیث نبویؐ سے بھی ثابت ہے۔ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنا، سنت رسولؐ اور اُسوۂ حسنہ کا کامل اتباع عشق رسولؐ کے لئے لازم ہے۔ حضورؐ کی ذات گرامی رحمۃ اللعالمین تھی اسی لئے مومن اور صوفی کو بھی رحمت وشفقت کا آئینہ ہونا چاہئے، آپؐ مکارم اخلاق سے متصف تھے، مردصوفی کو بھی اپنے اندر اوصافِ ستودہ اور اخلاقِ پسندیدہ پیدا کرنے چاہئیں۔ عشق محمدیؐ سے ہی اپنے کو پستی سے بلندی تک لے جانا ممکن اور زمانے میں عشق محمدیؐ کے ہی نور سے ہی ظلمت کو دور کیا جا سکتا ہے اور نور پھیلایا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال اس ضمن میں کہتے ہیں ؎

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

مردِ صوفی اور درویش اور کو عشقِ الٰہی میں بہت دُشوایوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت مصائب وتکالیف برداشت کرنے پڑتے ہیں اور طرح طرح کے امتحانات اور آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے اور جو ثابت قدم رہتا ے وہی کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اس بارے میں صوفیائے کرام حضرت ابراہیمؑ کی مثال پیش کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آزمایا اور کن کن امتحانات اور آزمائشوں سے گذارا تب جا کر اُنہیں مقام خلیل اللہ عطا ہوا اور اللہ کے محبوب ہوئے۔ کبھی لخت جگر قربان کرنے کا حکم صادر کیا جاتا ہے تو کبھی نارنمرود میں کود جانے کو کہا جاتا ہے۔ تمام آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی رحمت سے نوازا اور دیگر تمام انعامات بھی عطا فرمائے، بقول علامہ اقبال ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

ایک اور جگہ یوں کہا گیا ہے ۔

نارِ نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچالیا تونے

تصوف میں اس مقام کو ''خلت'' سے جانا جاتا ہے اور یہ درجہ عشق سے بہت بالا اور افضل ہے جو صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضورؐ کو عطا ہوا تھا اور کسی کو اس درجہ پر فائز نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں :

''اس سے بھی بالا درجہ خلت کا ہے جبکہ جذبات اور تمنیات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ دل، دماغ، طبع، روح، کامل طاقت و وحدت کے ساتھ محبوب ہی مقصود و مطلوب بنالیتے ہیں۔ اس مرتبہ پر حضرت ابراہیمؑ اور حضورؐ پہنچے۔'' [1]

مولانا رومیؔ عشق الٰہی میں اتنی طاقت دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق الٰہی ہی تمام امکانی اور اخلاقی بیماریوں کا واحد علاج ہے اور اسی عشق کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور شاباشی دیتے ہیں ۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہای ما

مختصر یہ کہ عشق ایک حال ہے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک روحانی کیفیت ہے جو بحث و تمحیص سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ عشق نبیؐ خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ اور رہنما ہے اور عشق الٰہی بغیر اطاعتِ الٰہی اور عشق نبیؐ حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ عشق کا اعلیٰ ترین درجہ عبدیت ہے جو اطاعتِ الٰہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ عشق ایک عطیۂ ربّی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں، متقی اور پرہیزگاروں کو اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ مردِ مومن اور مردِ صوفی تمام عمر شریعت کی پابندی، تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس سے عشقِ الٰہی خدا سے طلب کرتا ہے اور اسی کی رحمت

1۔ اقبال اور محبت رسولؐ ، صفحہ 19

اور فضل سے یہ دولت اُسے عطا ہو جاتی ہے۔اس موضوع کو مرزا غالب نے اپنے ایک شعر میں یوں سمیٹا ہے۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

وہ تصوف جو نااہلوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کی وجہ سے آج تمام دنیا میں رُسوا ہو رہا ہے دراصل اس طریقِ عمل کا نام ہے جس پر کاربند ہونے سے ایک شخص کو نئی زندگی حاصل ہو سکتی ہے اس کے لئے اوّلین شرط یہ ہے کہ سالک نفس امارہ کو کُچل ڈالے جس طرح وہ اپنے جانی دشمن پر قابو پانے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔حضورؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو نئی زندگی عطا فرمائی تھی اور اُنہوں نے راتوں کو تنہائی میں اُٹھ کر برسوں نفس امارہ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ پس تصوف اسی مجاہدے کا نام ہے جو مسلمان یہ مجاہدہ کرتا ہے وہ حقیقی معنوں میں تصوف یعنی سنت نبویؐ پر عمل کرتا ہے۔افسوس یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں اس قسم کی کوئی بات باقی نہیں رہی ہے کیونکہ وہ جہادِ نفس کو دقیانوسیت اور ملائیت سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ جہاد بالنفس کو حضورؐ نے جہادِ اکبر فرمایا ہے۔جب انسان اپنے نفس امارہ پر قابو پالیتا ہے تو وہ حضورؐ کی کامل اتباع سے مقامِ فنا فی الرسولؐ حاصل کر کے مقام عبدہ پر فائز ہو جاتا ہے۔یہ مقام صرف اور صرف اپنے آپ کو حضورؐ کے رنگ میں رنگنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر عشقِ رسولؐ کی آگ کو بھڑکائے اور اپنی جان، اپنے مال اور اولاد غرضیکہ تمام چیزوں سے زیادہ حضورؐ سے محبت اور عشق کر کے اُن کے فرمودات اور ارشادت پر سختی سے عمل کرے تبھی وہ محبت الٰہی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔جب سالک عشق الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اس کا محافظ ہے اور جو کچھ ہے اللہ ہی ہے، اُس کے سوا کوئی ہستی کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتی ہے۔اور جب یہ یقین پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت میرے ساتھ ہے اور جب تک وہ نہ چاہے کوئی شخص میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا ہے تب سالک رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور اس مقام کو رضا بالقضا کہتے ہیں اور یہ شیوہ تسلیم و رضا ہی اسلام کی حقیقت ہے۔قرآن مجید بھی مسلمانوں میں یہی ذہنیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ جو شخص اللہ کی محبت میں اُس کی

اطاعت کرتا ہے تو اس کو اس کا عوض بھی ملتا ہے اور وہ اس دنیا میں خوف سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون** ۔ یہ مقام صوفی کو عشقِ الٰہی اور اطاعت رسولؐ کی بدولت حاصل ہو جاتا ہے اور یہ عشق الٰہی سالک اور صوفی کو اللہ کا غلام بنادے گا اور اس غلامی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات عاشقِ اللہ کی غلام ہو جائے گی۔ لہٰذا عشق الٰہی کی آگ کی بھٹی میں تمام فکر و اندیشے کو جلا کر راکھ کر دو اور اُس کی غلامی اور بندگی اختیار کر کے فلاح ونجات کے اُمیدوار اور دعویدار بن سکو۔ علامہ اقبال اسی عشق الٰہی کے بارے میں کہتے ہیں ۔

عشق را آتش زنِ اندیشہ کن
رو بہ حق باش و شیری پیشہ کن

(رموز بیخودی)

جب صوفی اپنی مرضی کو خدا کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے اور اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے تو پھر خدا کی مرضی اُس کی مرضی ہو جاتی ہے یعنی عاشق صادق کی مرضی خدا کی مرضی ہو جاتی ہے۔ جاوید نامہ میں علامہ اقبال اس بارے میں کہتے ہیں ۔

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود

عشق الٰہی کی بدولت عاشق میں فوق العادت طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر انسان اطاعت رسولؐ اور اطاعتِ الٰہی کی بدولت عشق الٰہی کے مقام پر فائز ہو جائے تو اس میں طاقتِ پرواز پیدا ہو سکتی ہے اور زمان و مکان پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ اس مضمون کو علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں یوں بیان کیا ہے ۔

ایں بدن باجانِ ماانباز نیست
مُشت خاکی مانعِ پرواز نیست

اس قسم کی محبت زندگی کے لئے آب حیات ہے اسی لئے مولانا رومی نے کہا ہے ۔

عمری کہ بی عشق رفت ہیچ حسابش مگیر
آب حیات است عشق در دل و جانش پذیر

عشق رسولؐ اور عشق الٰہی میں اتنی طاقت ہے کہ صوفی اور مومن خدا کے امینوں میں شمار ہونے لگتا ہے اور اُس پر اسرارِ الٰہی کھولدئے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال اسی لئے کہتے ہیں ؎

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھُلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عشق الٰہی کی منزل پر فائز ہونے کے بعد صوفی اور مومن کو معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے تو خدا اُس کے پاس اور اُس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ید اللہ بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بال جبریل میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کار کشا کار ساز

یہی وہ عشق ہے جس کو دمِ جبریل، دل مصطفیٰؐ اور خدا کا کلام بھی کہا گیا ہے ؎

عشق دم جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسولؐ عشق خدا کا کلام
(بال جبریل)

ضرب کلیم میں بھی علامہ اقبال عشق کی طاقت کے بارے میں کہتے ہیں ؎

عشق کے ہیں معجزات سلطنت وفقر و دین
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگین

مختصر یہ کہ عشق کوئی آسان کام نہیں ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ اور رسولؐ سے عشق کرنا گویا آسمان میں اڑنے کے برابر ہے۔ اسی لئے مولانا رومی نے کہا ہے ؎

عشق است بر آسمان پریدن
صد پردہ بہ ہر نفس دریدن

طریقت میں تمام عبادات، ذکر واذکار اور وظائف واوراد کا دارو مدار اتباع رسولؐ پر ہے۔ اتباعِ رسولؐ اور پیروی اُسوۂ حسنہ میں ہی عشق الٰہی کا راز پوشیدہ ہے۔ جب عشقِ رسولؐ کی دولت صاحب طریقت کو نصیب ہوتی ہے تو وہ تمام عیوب ونقائص سے صاف و پاک ہو جاتا

ہے۔مولانا رومی کہتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ زعشقی چاک شد
اُو ز خرص وعیب کلی پاک شد

ڈاکٹر محمد عبدالحئی لکھتے ہیں:

''ہمارے اعمال ،فرائض، واجبات اور اوراد، اوامر ونہی کی تعمیل آنحضرتؐ کی اطاعت ہی کی نیت سے ہونی چاہئے اور یہ تقاضائے محبت آپ کے تمام آداب وخصائل وسننِ عادیہ کو بھی شعارِ زندگی بنایا جائے اور اس میں بھی اتباعِ نبویؐ کی نیت وعزم ہونا چاہئے تا کہ ہمارا ہر عمل انشااللہ قبول بھی ہو۔'' 1

عشقِ رسولؐ ایک ایسی دولت اور سرمایہ ہے صوفی کے لئے جس کے سامنے دنیا کی تمام دولت اور مال وزر بے ارزش ہے۔عشق کے مضراب سے زندگی کے نغمات کی تاریں بج اُٹھتی ہیں اور عشق ہی سے اس تاریک دنیا میں روشنی اور نور نصیب ہوتا ہے۔اسی لئے علامہ اقبال نے بالِ جبریل میں ایک جگہ یوں کہا ہے ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

ایک اور جگہ اسی تناظر میں یوں کہا ہے ؎

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

عشقِ الٰہی کا مقام حاصل کرنے کے لئے صوفیائے باصفا تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہیں برتتے ہیں۔اُن کے سامنے اللہ کا یہ ارشاد گرامی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے سورہ التخابن میں فرمایا ہے:

''پس تم تقویٰ اختیار کرو جتنی تمہارے اندر استطاعت ہے''

صوفیائے کرام اپنی تمام طاقت اور استعداد ذکر الٰہی، اتباع رسولؐ اور احکامِ الٰہی

1 اُسوۂ رسول اکرمؐ صفحہ 40

بجالانے میں صرف کرتے ہیں۔ وہ چاہے مزدوری کرتے ہوں، کسب حلال میں مشغول ہوں، نوکری کرتے ہوں کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں ہر حالت میں ذکرِالٰہی میں مشغول ہوتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے لئے سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہ بندے جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں'' انہی لوگوں کو اللہ کا سچا عاشق اور ولی اللہ کہا جا سکتا ہے۔ حافظ شیرازی اُس عبادت کے بارے میں جو عشقِ الٰہی کے جذبے سے خالی ہو کہتے ہیں کہ جو شخص دل میں تیرا عشق نہیں رکھتا یقیناً اس کی عبادت بے سود اور مکر و ریا ہے۔ جان دیدینا آسان ہے مگر تیرے عشق سے دل ہٹانا مشکل ہے ۔

ہر کس کہ ندارد بہ جہان مہرِ تو در دل
حقّا کہ بود طاعتِ اُو ضائع و باطل
برداشتن از عشق تو دل فکر محال است
از جانِ خود آسان بود از عشقِ تو مشکل

عشق رسولؐ اور عشقِ الٰہی میں اذیتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد عاشقِ الٰہی کو جو مرتبہ اور مقام عطا ہوتا ہے اُس کے بارے میں عام مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ اسی لئے مولانا رومی کہتے ہیں ۔

وجودِ آدمی از عشق می رسد بہ کمال
گر ایں کمال نداری کمال نقصان است

یعنی آدمی کا وجود عشق سے ہی کمال حاصل کر سکتا ہے اور اگر یہ کمال تجھے حاصل نہ ہو سکا تو پھر تجھے کمال کا نقصان ہے۔

یہ کمال اور کامیابی ایک صوفی کو صرف عشق الٰہی میں غرق ہونے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے سورہ آل عمران میں:

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو اللہ

تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔''

ایسے ہی عاشقوں اور مومنوں کو حضورؐ روز قیامت خدا کے حضور میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کریں گے کیونکہ اُنہوں نے خود فرمایا ہے :

''میں تمہاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔'' [1]

عاشقانِ رسولؐ اور عاشقانِ الٰہی کے لئے روزِ محشر یہ سب سے بڑا انعام ہوگا کیونکہ حضورؐ اُنہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف فرمائیں گے اور جنت کے باغوں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔ اسی لئے صوفیائے کرام دنیا میں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تکالیف خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ ایسے عاشقانِ الٰہی کے لئے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

ایک اور جگہ بانگ درا میں عشق کے بارے میں یوں کہتے ہیں ؎

عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

☆☆

---

[1] نگاہ مردمومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں از بدیع الزماں، صفحہ 82

طریقت کا مدعا ومقصد

طریقت کوقرآنی اصطلاح میں تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کہتے ہیں اور حدیث کی اصطلاح میں اسے ''احسان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔صوفیہ کا خیال ہے کہ قرآن وسنت کے ظاہری احکام کوشریعت اور باطنی احکام کوطریقت کہتے ہیں۔طریقت کا مدعا یہ ہے کہ دل کو ہر قسم کی آلائش سے صاف کیا جائے اور مذموم اعمال ختم کئے جائیں۔طریقت بحث وتمحیص سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ طریقت حصولِ لذات اور شہوات چھوڑنے کا دوسرا نام ہے۔طریقت اور تصوف کی تحریک تیسری صدی ہجری سے آگے بڑھتی گئی اور زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔یہ تحریک صرف اور صرف اسلامی نظام، اخلاق اور عبادات کے تحفظ کے لئے اٹھی۔طریقت کی ساری اصطلاحات قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔یہ تحریک صوفیائے باصفا کی وجہ سے آگے بڑھتی گئی۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا خیال ہے کہ تصوف اور طریقت کی راہ وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت رسولؐ ہوتا کہ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں طریقت کا راستہ طے کرے اور بدعت اور گمراہی کے گڑھوں میں نہ گرے۔طریقت تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور اخلاق کا نام ہے۔حضورؐ کو اعلیٰ اخلاق سے نوازا گیا تھا تا کہ اپنی اُمت کو دین کامل کی تعلیم دیں اور عمل کر کے دکھائیں لہٰذا طریقت اور تصوف بھی اسی مشن کو آگے بڑھانے میں کوشش کرتا رہا ہے۔ابومحمد الجریریؒ ایک اعلیٰ پایہ کے صوفی بزرگ گذرے ہیں۔وہ طریقت اور تصوف کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''تصوف ہر نیک خصلت سے مزین ہونا اور تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا

حاصل کرنے کا نام ہے۔'' [1]

طریقت اور تصوف نے عبادت الٰہی میں ایک خاص قسم کی دلکشی، جاذبیت اور کیفیت پیدا کرنے کا عمل سکھایا۔ طریقت آدم کو انسان بنانے میں مدد کرتا ہے اور اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی کے طور طریقے سکھاتا ہے۔ اولیائے کرام نے محبت، اُخوت، مساوات، خدمت خلق اور عبودیت کا درس دیا ہے۔ وہ دُکھ کو عطیۂ الٰہی، آزمائش کو امتحان، بھوک کو طعام سمجھ کر زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور ہمہ وقت اللہ کی بندگی اور خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ طریقت زندگی سے گریز نہیں بلکہ جینا سکھاتا ہے۔ طریقت اور تصوف کا سارا رُخ انسان کی طرف ہے۔ وہ مظلوم کی حمایت، ظالم کی ہدایت اور سرکش لوگوں کو انسان کا دوست بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ طریقت خدا ترسی، ہمدردی اور غمگساری سکھاتا ہے۔ طریقت نے عبادات میں لذت، حلاوت اور چاشنی پیدا کی ہے اور زندگی میں مقصدیت اور حُسن پیدا کر دیا ہے۔ صوفیائے کرام کا حسنِ عمل اور ان کی انسان دوستی اور خدا ترسی کی وجہ سے ہی تصوف کی تحریک اب تک زندہ اور باقی ہے۔ حضورؐ نے اسلام کو دنیا میں ایک آفاقی پیغام کے طور پیش کیا اور خلافتِ راشدہ کے بعد اس پروگرام کی قیادت صوفیائے کرام نے انجام دی۔ اُنہوں نے بلاتفریق مذہب وملت ورنگ ونسل خدمتِ خلق اللہ کو اپنا شعار بنالیا۔ طریقت نے بنی نوع انسان کی عموماً اور اسلام کی خصوصاً جو خدمت انجام دی ہے وہ بہت ہی عظیم الشان ہے۔ صوفیائے کرام نے توحید، عشقِ الٰہی اور محبتِ انسانی کا ساز اس سوز وگداز اور خلوص سے چھیڑا اور اپنے اعلیٰ اخلاق، کردار اور جذبۂ خدمتِ خلق کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے اور پرائے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، بدھ سب اس سے متاثر ہوئے صوفیاء کی تاریخ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے کیونکہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اسلام کی روح کو زندہ رکھا اور معاشرتی اور معاشی میدان میں بھی ہمارے لئے وہ ڈھانچہ محفوظ رکھا جو حضورؐ اور خلفائے راشدین نے قائم کیا تھا۔ سادگی قناعت، دنیا سے بے رغبتی اور خدمتِ خلق میں اُنہوں نے عمریں گذار دیں۔ دل باریار دست باکار پر عمل کرتے ہوئے اس کی رضا مندی میں ہمیشہ مصروف رہے۔ صوفیائے کرام نے جابر اور

[1] روحِ تصوف از خورشید احمد گیلانی، صفحہ 8

ظالم بادشاہوں اور حکمرانوں سے الگ رہ کر خالص غیر سیاسی دائرہ میں سرگرم ہوگئے اور اُنہوں نے اصلاحِ سیاست کے بجائے ''اصلاحِ افراد'' کو اپنا نشانہ بنایا۔ انہی صوفیہ کی کوششوں کی وجہ سے آج برصغیر ہندو پاک اور کشمیر میں لاکھوں اور کروڑوں مسلمان دیکھنے میں آتے ہیں۔ ہندوستان میں جو صوفیائے کرام گذرے ہیں اُن کے حالات زندگی کے مطالعہ سے کہیں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اُنہوں نے ملک کے غیر مسلموں میں براہِ راست تبلیغ کا کام کیا ہو، صوفیائے کرام امن اور محبت کا پیغام لے کر اُٹھے اور اسی انداز پر کام کرتے رہے۔ اُنہوں نے اپنے مسلسل عمل سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کشیدگی کی فضا ختم کر دی جس کا دعوتی فائدہ براہِ راست اسلام کو ہوا۔ وہ اپنے تمام معاملات میں رواداری کا طریقہ برتتے تھے۔ امان اللہ خان سرحدی شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''حضرت غوث اعظمؒ کا لباس بہت ہی نفیس ہوتا تھا آپ کی پوشاک کے لئے دور دراز ممالک تک سے نفیس کپڑا آتا ہر صبح آپؒ اپنا لباس تبدیل کرتے اور اُتارا ہوا لباس مسکین یا محتاج کو خیرات کے طور پر دے دیتے اور روزمرہ کی یہ تبدیلی لباس غالباً مساکین کو خیرات کرنے ہی کا ایک بہانہ تھی۔'' [1]

صوفیائے کرام کے کارنامے بہت ہیں اور ان کے کارناموں کو سمجھنے کے لئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اُنہوں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا کہ اسلام کا اصل مقصد کیا ہے؟ اُنہوں نے ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔ صوفیا سے بڑھ کر تبلیغ اور سیرت سازی کا فریضہ کسی اور جماعت نے انجام نہیں دیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے تاویلات میں مشغول تھے اس وقت صوفیا بادشاہوں کو خوفِ خدا کا درس دیتے رہے۔ یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ علماء نے دینی کتابیں تحریر فرمائی لیکن صوفیا نے وہ آدمی تیار کئے جنہوں نے ان کتابوں پر عمل کرنا سکھایا۔ صوفیا نے ہمیشہ دماغ کے ساتھ ساتھ دل کی تربیت کا فریضہ انجام دیا اور انسان کو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سکھایا۔ صوفیائے کرام نے ذکر و اذکار سے دل کے زنگ کو دُور کرنے کا طریقہ سکھایا۔

---

1. غنیۃ الطالبین مترجم، صفحہ 47

حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''دل پر بھی لوہے کی طرح زنگ چڑھتا ہے۔ سوال کیا گیا کس چیز سے چلا جاتا ہے۔ فرمایا ذکرِ موت اور تلاوتِ قرآن سے۔''

ایمان کا تعلق براہِ راست دل سے ہے اور یہ بات قرآن کریم سے بھی عیاں ہے چنانچہ سورہ نور میں آیا ہے۔

''مومن اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دل سے مانیں''۔

صوفیائے کرام۔ اسی قلب کے تصفیہ پر زور دیتے ہیں تا کہ انسان کے اندر بصیرت پیدا ہو جائے، اور اس کا دل دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ بالِ جبریل میں علامہ اقبال کہتے ہیں۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نُور نہیں

صوفیائے کرام دیدہ ور بننے کے لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کرتے رہتے ہیں اور اُن کے زیرِ نظر یہ فرمانِ الٰہی ہوتا ہے جو سورہ ''ص'' میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جس کا ترجمہ یوں ہے:

''اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کرو بڑی عمل رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ تھے''

علامہ اقبال نے بھی دیدہ ور بننے کے لئے دیدہ دل وا کرنے کی بات کی ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

عصرِ جدید نے انسان کے لئے بے شمار مسائل پیدا کئے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا شدید مسائل اور مشکلات سے دوچار ہے۔ کچھ مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق دنیا کی بقا سے ہے انسان بھوک اور افلاس سے نجات چاہتا ہے دوسری طرف ایٹمی جنگ سے حفاظت کے بارے میں بھی آج کا انسان پریشان ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پاتا ہے کہ آخر دنیا کو بھوک اور افلاس سے کیسے بچایا جا سکے اور نہ ہی ایٹمی جنگ سے محفوظ رہنے کا کوئی طریقہ اس کی سمجھ میں آتا ہے، انسان کا انسان سے رشتہ ٹوٹ رہا ہے۔ ماضی سے تسلسل ٹوٹ رہا ہے۔ مستقبل غیر یقینی ہے اور حال ہی

ایک حقیقت ہے۔ انسان زخمی خوابوں اور بکھرے اصولوں کے سائے میں زندگی گذار رہا ہے۔ مذہب سے برگشتگی نے انسانوں کو ایسی منزل پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں ایک مکمل خلاء ہے۔ انسان سمجھ ہی نہیں پا رہا ہے کہ آخر کرے تو کیا کرے۔

عصرِ جدید کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ انسانوں کو محض عقل سمجھا جا رہا ہے اور عشق کی اہمیت اندھیروں میں گُم ہوگئی ہے۔ جنسی بے راہ روی نے انسان کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ کسی نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ اب شہری صنعتی زندگی میں کنکریٹ جنگلوں میں مہذب وحشی زندگی گذار رہے ہیں۔ انسان اپنے ہی تعبیروں اور تشریحوں کے قید خانے میں مقید نظر آ رہا ہے۔ اس وقت مغرب میں روحانی بحران کی وجہ سے بڑی بے چینی ہے۔ انسان مادی اور عارضی آسائشوں کے پیچھے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہے۔ اب اُسے تھکن کا احساس آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ ان حالات میں تصوف اور طریقت کا راستہ ہی اُسے نجات دلا سکتا ہے کیونکہ صوفیاء خود ایثار و محبت کے مجسمے ہیں اور ان کی انسان دوستی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ وہ بھٹکے ہوئے کارواں کو صحیح اور نیک راستہ دکھا سکتے ہیں۔ وہ خود تکالیف جھیل کر ایک درخت کی طرح دوسروں کو ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن نظر آتی ہے۔

اگر موجودہ دور میں کسی انسان میں غوث الاعظمؒ کا تقویٰ اور غریب پروری اور خواجہ غریب نواز کا پیغامِ حق اور علمدارِ کشمیر کا فقر جمع ہو جائیں تو پوری دنیا میں معاشرتی، اخلاق اور روحانی زندگی میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت دنیا نظریاتی لحاظ سے مختلف گروہوں میں بٹ چکی ہے۔ عالمی سطح پر استحصال ایک بھیانک زندہ حقیقت ہے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے انسانی وجود کو اس زمین پر ایک اتفاقی حادثہ بتایا ہے اور انسان کو جانوروں کی سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔ ہم از روئے قرآن جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیج دیا اور اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا مگر فلسفیوں خاص کر نیٹشے نے خدا کی موت کا اعلان کر کے اصل میں اپنی موت کی تصدیق کر کے انسان کی باہمی زندگی کو فراموش کر دیا جس کے نتیجے میں بے یقینی نے جنم لیا۔ جدید علوم خاص کر علم انسانیات اور تصورِ ارتقاء نے بھی اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں کہ انسان

فطرت کی ایک مستقل جہت ہے جو تاریخ کے اندھیروں سے تہذیب کے اُجالے تک غیر متبدل رہی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کی۔ بڑی ایجادات سے دنیا کو آرام وآسائش کی چیزیں مہیا کیں۔ بڑے بڑے مکان تعمیر کئے لیکن مکینوں کا سکون چھین کر انسان کو حیرانی و پریشانی کے عالم کے حوالے کر دیا۔ آج کا انسان چین اور سکون کھو چکا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر، ظلم اور انصاف میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے مگر پھر بھی انسان اپنے لوگوں پر ظلم کرتا ہے، انسان انسان کا قتل کرتا ہے اور طرح طرح سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہیں حالانکہ جانوروں تک کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی نوع کے ساتھ سفا کی نہیں کرتے۔ بھیڑیے اور شیر اپنی نوع کے لئے بھیڑیے اور شیر نہیں ہیں مگر انسان خود انسان کے لئے بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ طریقت اور تصوف ہی ایسے حالات میں انسان کو دل کا سکون حاصل کرنے میں رہنمائی کرسکتا ہے اور ذکر الٰہی کے راستے پر گامزن کر کے اس کو حیوانی صفات سے نجات دلاسکتا ہے۔ آج کے دور میں تصوف اور طریقت ہی انسان کو پریشانیوں سے نجات اور بُرے کاموں سے روکنے میں رہنمائی اور رہبری کر کے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہونے میں مدد کرسکتا ہے۔

طریقت تمام ظاہری و باطنی بیماریوں تکبر، حسد، کینہ، بُغض، ریاکاری، شکم پروری، حب مال، حب جاہ، دغابازی، جھوٹ، دھوکہ دہی اور فریب کاری جیسی گندی اور بُری عادتوں سے نفس کو پاک ومنزہ کر کے پاکیزہ اخلاق، عمدہ اطوار اور دیگر اچھی عادات سے متصف کر کے عبادت الٰہی کا صحیح لطف اٹھانا سکھاتا ہے۔ مولانا تطہیر احمد بریلوی لکھتے ہیں:

> ''تصوف کا وضو ظاہر یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرے کو دھونے کے ساتھ ساتھ باطن یعنی دل ودماغ کو بھی خیالاتِ فاسدہ اور تصوراتِ باطلہ سے پاک وصاف کرنا ہے اور تصوف کی نماز خداوند قدوس کی یاد اور پھر اس کے جلوؤں میں گُم ہو کر دنیا اور اسباب دنیا سے بےخبر ہو جاتا ہے۔'' [1]

اسلام صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی وجہ سے پھیلا ہے کیونکہ وہ ظاہری وباطنی علوم سے مالامال اور شریعت وطریقت کے جاننے والے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا تطہیر احمد

[1] تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، صفحہ 20۔

بریلوی لکھتے ہیں:

''یقیناً آج کمی ہے تو ان جفا کش، مشقت بردار، نفس کش، علوم ظاہری و باطنی سے مالا مال، رہروانِ شریعت اور رازدارانِ طریقت و معرفت کی جو اپنی خداداد شانِ مومنانہ اور جرات مردانہ اور قوتِ کرامت و کاشفانہ سے کفر کی خار دار وادیوں کو اسلام و ایمان کا چمن زار بنادیں اور بُت پرستی کے چٹیل میدانوں اور سوکھے ریگستانوں میں توحید و رسالت کے آبشار بہادیں، سنسان جنگلوں میں ایمان و اسلام کے ڈنکے بجادیں اور رحمتِ ایزد تعالیٰ کے بادل برسادیں۔ دراصل تصوف کی مخالفت صیہونی طاقتوں، برطانوی و امریکی عیسائی سامراج کی اسلام دشمن پالیسی کا نتیجہ ہے۔ کفر نہیں چاہتا کہ اب مسلمانوں میں پھر ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس کی سیاہی کو چھانٹ دیں اور اس کی کالی اندھیریوں میں اسلام کے چراغ روشن کریں۔'' [1]

ڈاکٹر سطوت بانو تصوف کے اغراض و مقاصد کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتی ہے:

''تصوف کی اصل غرض و غایت دیدارِ رب کی آرزو ہے۔ سالک تمام مجاہدات و ریاضات اور مراقبات اس لئے برداشت کرتا ہے کہ اسے اپنے محبوب کا دیدار ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُسے اس بات کا یقین ہے کہ مقصدِ حیات دراصل دیدارِ محبوب ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت پیشِ نظر رہے۔ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ (پس جو اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اُسے لازم ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک و سہیم نہ بنائے (سورہ کہف)'' [2]

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جہاں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے۔

---

[1] تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، صفحہ 22 [2] فارسی کے اہم صوفی شعراء بہار کے تناظر میں، صفحہ 13

موجودہ دنیا انسان کی امتحان گاہ ہے بلکہ آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں ایک خاص عرصے کے لئے انسان کو رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب اس کا مالک اسے توڑے گا اور دوسری کائنات یا دوسری دنیا دوسرے ڈھنگ پر بنالے گا۔ وہاں تمام انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ہر ایک نے موجود دنیا میں جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہوں گے وہ تمام وہاں خدا کی عدالت میں پیش ہوں گے اور ہر ایک کو اس عمل کے مطابق انعام یا سزا دی جائے گی۔ تصوف اور طریقت ہمیں آخرت کی تیاری کرنے کے طریقے اور آدابِ زندگی سکھاتا ہے۔ تصوف ہمیں دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونے کے ساتھ ساتھ پاک وصاف اور عزت وآبرو کی زندگی گذارنے کی تلقین کرتا ہے اور راستے بھی دکھاتا ہے۔ تصوف کا راستہ اختیار کرنے میں سکونِ قلب کا راز پوشیدہ ہے۔

گذشتہ اوراق میں ہم نے دیکھا کہ طریقت آدمی کے اندر انسانیت، دیانتداری اور اخلاق پیدا کرتا ہے۔ آج کل جاہلوں نے اپنے آپ کو فقیر اور درویش بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر کے ایک نیا دھندہ شروع کیا ہے۔ اِن نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گذر گئی ہے۔ شریعت کی پیروی کی جگہ اس کی خلاف ورزی کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ صوفیہ کا ایک طبقہ اپنی چالاکیوں سے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے اور اپنا مقصد اور مطلب نکالنے کے لئے عجیب طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

> ''تیسرا گروہ دوکاندار صوفیہ کا بھی ہمیشہ رہا ہے جو عجیب وغریب چالاکیوں سے سادہ لوح مسلمانوں کو پھانستا ہے اور دُعاؤں کو بذریعہ وی۔ پی (V. P Parcel) پارسلوں کے اپنے معتقدین کے پاس بھیجتا ہے۔ اس گروہ کے کارنامے اور چالاکیاں حیرت انگیز ہیں''۔ [1]

نقلی درویش یہ خیال کرتے ہیں کہ نماز اور روزہ بے کار چیزیں ہیں اور اُن کے نزدیک شریعت کی پابندی بے معنی اور بے مقصد ہے۔ ایسا سمجھنا ان کے لئے آخرت میں باعثِ عذاب ہوگا۔

---

[1] تاریخ تصوف، صفحہ 44

امام قشیری نے بہت پہلے یہ بات کہہ دی ہے کہ اب طریقت ایک رسم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اصل طریقہ مفقود ہو چکا ہے اور حقیقت کے میدان میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ عبدالماجد دریا بادی اپنی کتاب ''تصوف اسلام'' میں امام قشیری کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''رونے کا مقام ہے ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو حرام کھاتا ہے اور باطل میں مشغول رہتا ہے جو ان لوگوں کو مل جائے وہی ان کے لئے حلال ہے اور جو نہ ملے وہ حرام ہے''۔ [1]

مولانا رومی کا خیال ہے کہ آج کل کے صوفیوں کے پاس صرف جُبہ و دستار اور تسبیح و رِدا تو ہے لیکن اُن کے دل کالے اور ناپاک ہیں ؎

شانہ و مسواک و تسبیح و رِدا
جُبہ و دستار و قلب بے ریا

آج کل اکثر درویش ایسے ہیں جن کو گندم نُما جو فروش کہہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس ظاہری دِکھاوے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ جاہ و حشمت کے بھُوکے ہیں۔ وہ آزادی اور بے قیدی کی تبلیغ کر کے طریقت کے مقدس نام کو بدنام کرتے ہیں اور سنت کو چھوڑ کر بدعت اپنا لیتے ہیں۔ ایسے نام نہاد طریقت کے علمبرداروں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

میں نے خود کئی دنیا دار نقلی صوفیوں اور درویشوں کو کئی اصحابِ اقتدار لوگوں کے دروازوں پر دامن پھیلاتے ہوئے دیکھا ہے۔ مال و دولت کی ہوس اور محبت نے اُنہیں بھکاری بنا دیا ہے۔ اُن کے دلوں میں کینہ، بغض، حرص طمع اور لالچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسے درویش خدا اور آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اُن کے دِلوں میں ایمان نام کی چیز ہے ہی نہیں۔ اب عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آئے ہیں اِسی لئے علامہ اقبال نے بھی کیا خوب کہا ہے ؎

میراث میں آئی ہے اُنہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

---

[1] تصوف اسلام، صفحہ 194

طریقت اور درویشی یہ نہیں کہ صوفی کشکول ہاتھ میں لے کر اور مالا گلے میں ڈال کر دمادم مست قلندر گا کر لوگوں کو یہ تأثر دینے کی کوشش کرے کہ وہ بڑا درویش ہے بلکہ طریقت کا مُدعا و مقصد یہ ہے کہ درویش خود بھی قرآن وسنت پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید کرے۔

درویش اور صوفی اگر زُہد وتقویٰ، عبادت اور ریاضت اختیار کرتے ہیں تو اُن کا مقصد صرف اور صرف خدا کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ وہ جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے خدا کی بندگی نہیں کرتے۔ اُن کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے۔

مختصر یہ کہ طریقت کا مُدعا و مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ خدا کی محبت وخشیت، اخلاق واحسان اور زُہد وتوکل جیسی قلبی و روحانی صفات اپنے اندر پیدا کی جائیں۔ اپنے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کیا جائے۔ یہ چیزیں کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہیں بلکہ طریقت کا راستہ اختیار کر کے کسی صاحب دل اور صاحب حال عامل کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مولانا رومی اِسی لئے فرماتے ہیں ؎

صحبتِ صالح تُرا صالح کند
صحبتِ طالح تُرا طالح کند

طریقت دین سے الگ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ طریقت اور اس کے اشغال و اعمال کا مقصد دین کی تکمیل ہے۔ طریقت کا مقصد گمراہ لوگوں کو صحیح راستے پر لانا، آخرت پر دُنیا کو ترجیح دینے سے روکنا اور دائمی اور ابدی زندگی کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان خوشحالی و تنگدستی کی صورتوں میں فقر و یاس کا شکار ہوجاتا ہے جبکہ اسے دونوں صورتوں میں اپنے دل پر قابو رکھنا چاہئے اور اپنے کردار کو نہیں بھولنا چاہئے۔ یہی مومن اور صوفی کی ذمہ داری ہے۔ صوفی کو اس بات پر دل کی گہرائیوں سے یقین ہے کہ خوشحالی، مال و دولت اور زن وفرزند بھی آزمائش ہے اور فقر وتنگدستی بھی۔ لہٰذا وہ نعمتوں پر شُکر اور مُفلسی اور تنگدستی میں صبر کرتا ہے۔ طریقت تقویٰ سکھاتا ہے اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب سکھا تا ہے۔طریقت دراصل فقر پسندی، مجاہدے، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا نام ہے۔صوفیہ کے یہاں قول وفعل میں تضاد نہیں پایا جاتا ہے۔ وہ شریعت پر عملی طور کاربند رہتے ہیں اور اپنے مُریدوں اور ساتھیوں کو بھی عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔اسلام کی نگاہ میں تزکیہ اخلاق ایک عظیم مقصد ہے اور اِس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقہ صوفیہ اختیار کرتے ہیں وہ سنت کے موافق ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عمل اگر خالص نہ ہوتو قبول نہیں ہوگا۔طریقت کی غایت اور مقصد قُربِ الٰہی ہے اور یہ سعادت بندگی اور عبودیت سے حاصل ہوسکتی ہے اور اِسی عبودیت اور بندگی کی تکمیل کے لئے صوفیائے کرام اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کو خدا کی مرضی کے تابع کرتے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں، اُسی سے مدد اور اعانت مانگتے ہیں، اُسی پر توکل کرتے ہیں اور اُسی کو راضی کرنے میں اپنی زندگی قرآن وسنت کے فرمودات پر عمل کر کے گذارتے ہیں۔

طریقت ضبطِ نفس، حضور قلب، نرمی، حلیمی، بُردباری، انکساری، تواضع، اخلاق، راست بازی، ایثار اور خدمتِ خلق سکھا تا ہے نیز ہمیں نفس کی ہر طرح کی بُرائیوں سے پاک ہونا، صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہونا، خدا کی نافرمانی سے بچنا، اس کے احکام کی تعمیل کرنا سکھا تا ہے۔طریقت ہی ہمیں اس مادی دور میں فلاح اور نجات کا راستہ دکھا سکتا ہے۔طریقت کی غرض وغایت اور اس کا اہم مقصد یہ ہے کہ انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے۔طریقت کی دولت اور سعادت مال و دولت، سیم وزر یا طاقت سے حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اُسے اس دولت سے نوازتا ہے۔حُسنِ خاتمہ کے لئے حافظ شیرازی و اکبر الہ آبادی کے مندرجہ ذیل اشعار لکھنا مناسب سمجھتا ہوں ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(حافظ شیرازی)

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت وضو ہے طریقت نماز
شریعت درِ محفلِ مصطفیٰؐ
طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰؐ
شریعت میں ہے صورتِ فتح بدر
طریقت میں ہے معنیٰ شقِ صدر
شریعت میں ہے قیل وقالِ حبیب
طریقت میں ہے حُسن و جمالِ حبیب
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ صوفی و مُلا کی جنگ

☆☆☆

کتابیات

1۔ قرآن مجید　　2۔ صحیح بخاری شریف

3۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ　　علامہ نور بخش توکلی　　معصوم اکیڈمی قادری اسٹریٹ، لاہور

4۔ تصوف کے مسائل اور مباحث　　ڈاکٹر مرزا اصفر علی بیگ　　الیاس ٹریڈرس، حیدرآباد

5۔ تصوف وسلوک　　مولانا ذوالفقار نقشبندی

6۔ تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں　　مولانا تطہیر احمد بریلوی　　بریلی، اتر پردیش

7۔ ذخیرۃ الملوک　　مترجم محمد ریاض قادری　　فرید بک ڈپو، نئی دہلی

8۔ کتاب اللمع ابونصر سراج　　پیش لفظ سید محمد فاروق　　اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی

9۔ اقبال کا تصور دین　　پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی　　اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی

10۔ عوارف المعارف　　مترجم شمس بریلوی　　ارشد برادرس، سوئیوالان، دہلی

11۔ جامع فیروز اللغات　　مولوی فیروز الدین　　اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی

12۔ مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں　　ڈاکٹر غلام قادر لون　　مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی

13۔ تاریخ ادبیات ایران　　حسین فریور　　موسٹ مطبوعاتی امیر کبیر تہران ایران

14۔ کشف المحجوب　　علی ہجویری　　رضوی کتاب گھر بھیونڈی تھانہ مہاراشٹر

15۔ فلسفۂ اسلام　　مترجم: احسان احمد　　لاہور

16۔ تعارف فقہ وتصوف　　مترجم: عبدالحکیم شرف قادری　　اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی

17۔ تاریخ تصوف　　ترتیب صابر کلوروی　　مکتبہ الحسنات، دہلی

18۔	تصوف کیا ہے مجموعہ مقالات	آل احمد سرور	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی
19۔	تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عبیداللہ فراہی	ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ
20۔	ایرانی تصوف	سعید نفیسی مترجم کبیر احمد جائسی	ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ
21۔	نفحات الانس	مقدمہ مہدی توحید پوری	نسخہ تہرانی ایران
22۔	حقیقتِ تصوف	ڈاکٹر اسرار احمد	اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی
23۔	شریعت وطریقت	مترجم مفتی محمد ذلیل خان برکاتی	مکتبہ جام نور، دہلی
24۔	محک الفقراء کلان	حضرت سلطان باہو	ہمدرد بک ڈیپو، بنگلور
25	بابا فرید گنج شکر	شبیر حسین چشتی نظامی	آستانہ بک ڈپو سوئی والان، دہلی
26	تصوف اور شریعت جلد اوّل	ڈاکٹر محمد عبدالحق	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی
27	سلوک وتصوف کا عملی دستور	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی
28	سفینۃ الاولیاء	داراشکوہ	ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی
29	تصوفِ اسلام	عبدالماجد دریابادی	نسیم بکڈ پو، لکھنؤ
30	تعارف فقہ وتصوف	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی
31	قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کی حقیقت	مولانا حکیم محمد ادریس حبان رحیمی	ادارہ اشاعت اسلام دیوبند
32	فلسفۂ تصوف	موسیٰ خان جلال زئی	فرید بک ڈیپو، نئی دہلی
33	تصوف عصرِ جدید میں	عزیز عبدالرحیم دانش	دانش پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی
34	دلی کے بائیس خواجہ	ڈاکٹر ظہور الحسن شادب	تاج پبلشرز، نئی دہلی
35	فتوح الغیب	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی
36	تذکرہ سیدنا غوثِ اعظم	طالب ہاشمی	تاج کمپنی ترکمان گیٹ، دہلی
37	مکاشفۃ القلوب	مترجم تقدیس علی خان	بک سروس ٹونی روڈ، غازی آباد
38	سکینۃ الاولیاء	داراشکوہ	ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی
39	تصوف اور تعمیر سیرت	مرتبہ عاصم نعمانی	مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

40	مثنوی معنوی مولوی	مولانا رومی	سب رنگ کتاب گھر دہلی
41	المرشد الامین خلاصہ احیاء العلوم (اُردو)	امام غزالی	دانش پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی
42	تصوف عصرِ جدید میں	عبدالرحیم دانش امدادی	دانش پبلشنگ ہاؤس، دہلی
43	اسلامی تصوف (امام غزالی)	مترجم ابومسعود اظہر ندوی	مکتبہ اشاعت القرآن دہلی
44	تصوف وسلوک کا عملی دستور	محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلکیشنز لاہور
45	روضۃ الصالحین	مولانا محفوظ الحسن سنبھلی	مکتب عالیہ حسن خان دہلی
46	مجدد دین امت اور تصوف	پروفیسر محمد عبدالحق انصاری	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی
47	نورنامہ	بابا نصیب الدین غازی	مرکزی نور کشمیر یونیورسٹی، سرینگر
48	کشمیر میں تصوف......	ڈاکٹر سید محمد سعید شا قادری	مرکزی نور کشمیر یونیورسٹی سرینگر
49	فارسی کے اہم صوفی شعراء بہار کے تناظر میں	ڈاکٹر سطوت بانو	اردو بک ریویو
50	روح تصوف	اشرف علی تھانوی، مترجم: محمد شفیع	مکتبہ تجلی دیوبند
51	کلیات اقبال	علامہ اقبال	کتب خانہ حمیدیہ جامع مسجد، دہلی
52	تصوف اور اہل تصوف	عروج احمد قادری	مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی
53	خوشبوئے شانِ اولیاء قرآن وسنت کی روشنی میں	محمد الطاف ابن اسماعیل کشمیری	ابن اسماعیل سرینگر کشمیر
54	افکارِ اقبال	محمد حامد	شاہین بک سٹال مائسمہ بازار سرینگر
55	رسالہ معبد ومبداء	شیخ احمد سرہندی، مترجم: پیرزادہ محمد اقبال احمد فاروقی	ابوالخیر اکاڈمی، دہلی
56	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	مکتبہ گلزار اسماعیل مالیرکوٹلہ
57	روضۃ السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور منہاج القرآن پبلکشنز، لاہور
58	رسالہ معارف لدنیہ	شیخ احمد سرہندیؒ	شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی

59	ہندوستان میں تصوف	مقالہ از مشیر الحق	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی
60	اسوۂ رسول اکرمؐ	ڈاکٹر محمد عبدالحی	مکتبہ رحیمیہ، دیوبند
61	رموز بیخودی	علامہ اقبال: شرح یوسف سلیم چشتی	کتب خانہ حمیدیہ، دہلی
62	اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات	محمد بدیع الزماں	
63	روح تصوف	حورشید احمد گیلانی	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف
64	مذہب اور جدید چیلنج	مولانا وحید الدین خان	مکتبہ الرسالہ نئی دہلی
65	اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیز	انجمن خدام القرآن لاہور	خدام القرآن لاہور
66	تصوف اور شریعت	ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی
67	تصوف وسلوک	مولانا ذوالفقار نقشبندی، بہ اہتمام عمیر ثاقب صدیقی	مکتبہ ملت، دیوبند
68	نظریۂ تصوف اور اقبال	ڈاکٹر بشیر احمد نحوی	میزان پبلشرز سرینگر، کشمیر
69	فقہ وتصوف	عبدالحق محدث دہلوی، مترجم: عبدالحکیم شرف قادری	
70	تصوف کیا ہے	مولانا محمد اویس ندوی	اسلامک بک سرورس، دریا گنج، دہلی
71	تصوف اور اہل تصوف	مولانا سید احمد عروج قادری، مرتب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی
72	اقبال اور نظریۂ خودی	سیار محمد سید قادری	گلشن پبلشرز سرینگر، کشمیر
73	اقبال اور محبتِ رسولؐ	ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی	اسلامی بک فاؤنڈیشن، دہلی
74	اقبال کا تصور دین	پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی	اسلامی بک فاؤنڈیشن، دہلی
75	ارمغان حجاز	علام اقبال	کتب خانہ حمیدیہ، دہلی
76	بالِ جبریل	علامہ اقبال	کتب خانہ حمیدیہ، دہلی
77	نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں	بدیع الزماں	دانش بک ڈپو فیض آباد، یوپی
78	اقبال اور اس کا عہد	جگن ناتھ آزاد	ادارہ انیس اُردو الہ آباد
79	اقبالیات کی تلاش	عبدالقوی دسنوی	مکتبہ جامعہ نئی دہلی

80	بررسی ادبیات امروز ایران	دکتر محمد استولامی	اشارات امیر کبیر تہران
81	حیات وتعلیمات مجدد الف ثانی	سرفراز بھٹی	فرید بکڈ پوٹیا محل، اردو بازار دہلی
82	قصص قرآن وتاریخ پیمبران	سعید محمد صحفی	کتاب فروشی علمی قُم ایران
83	مختصر تاریخ خلافت راشدہ	مولانا محمد سلیمان قاسمی	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی
84	نفحات الانس	مولانا جامی	نول کشور کانپور
85	مرصاد العباد	نجم رازی بہ اہتمام دکتر محمد امین	تہران ایران

☆☆☆